© rasailojaraid.com

اسلامی ریاست میں عدل نافذ کرنے والے ادارے

جناب سید عبد الرحمٰن بخاری ایل ایل۔ایم، اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ اسلام دینِ عدل ہے، عدل اسلام سے الگ کسی چیز کا نام نہیں بلکہ بعض اعتبارات سے اسلام کے اصل مزاج کا سب سے بڑا اشارہ ہے اور دین کا جو تصوّر قرآن و سُنّت نے پیش کیا ہے اس کے امتیازی خدوخال عدل و انصاف کے آئینہ میں سب سے زیادہ واضح شکل میں نظر آتے ہیں۔ عدل وانصاف کو اسلام میں نہ صرف زندگی کی ایک ابدی اساسی قدر ٹھہرایا گیا ہے جو فکر و شعور کے ہر زاویے سے لے کر نظمِ زندگی کے ہر گوشے میں جاری و ساری ہے بلکہ قرآن کریم سے یہ حقیقت ابھرتی ہے کہ تکوین اور تشریع دونوں نظاموں میں جملہ قوانین فطرت اور بنیادی حیات کی اساس و بنیاد عدل ہی ہے جو غیر متبدل سنّت اللہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ یوں عدل وانصاف وہ بنیادی انسانی قدر اور عالمگیر صداقت ہے جس پر انسانی معاشرہ بلکہ آسمان سے زمین تک پھیلا ہوا دنیا کا یہ سارا کارخانہ قائم ہے۔ اگر یہ ختم ہو جائے تو دنیا کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے۔ ارشاد خداوندی ہے: شهد الله انه لا اله الا هو والملٰئكة واولوا العلم قائما

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بالقسط[1] الآیہ۔ (آل عمران: ۱۸)

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ نظام عالم محض اللہ تعالےٰ کے عدل و انصاف کے بل بوتے پر قائم ہے۔

یہی وجہ ہے کہ عدل و انصاف کا قیام تمام آسمانی شریعتوں کا نصب العین رہا ہے، چنانچہ اسلامی شریعت کا بنیادی مقصد بھی اعلیٰ معاشرتی زندگی کی تنظیم کے علاوہ نفوس کی پاکیزگی کی خاطر صفات عدل و انصاف کی حفاظت ہے۔ ارشاد خداوندی اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ[2] نے وضاحت کر دی کہ تقوےٰ جو تمام اسلامی زندگی کی رُوح اور اہلِ ایمان کے ہر قول و فعل کے لیے کسوٹی ہے، عدل کے بغیر پیدا ہی نہیں سکتا کہ عدل اور تقوے میں چولی دامن کا ساتھ ہے اور عدل ہی تقویٰ کی ضمانت ہے جس کی تکمیل ہر مسلمان کا مذہبی فریضہ ہے۔ قل امر ربی بالقسط[3]

موضوع زیر نظر کے اصل نقطہ پر ارتکاز سے پیشتر اسلامی تصوّر عدل کے نمایاں خدو خال کی مختصر وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔

اسلامی تصوّر عدل کے نمایاں خدو خال

عدل ایک وسیع المعنی اصطلاح ہے۔ اس کا مفہوم ہے توازن، تناسب، مساوات، ہم آہنگی، انصاف، افراط و تفریط سے اجتناب اور لوگوں کے

---

[1] اللہ کی گواہی ہے کہ کوئی معبود نہیں ہے بجز اس کے اور فرشتوں اور اہل علم کی (بھی گواہی یہی ہے) اور وہ عدل سے انتظام رکھنے والا معبود ہے۔ (آل عمران: ۱۸)

[2] انصاف کرتے رہو کہ وہ تقوے سے بہت قریب ہے۔ (المائدہ: ۸)

[3] آپ کہہ دیجیے کہ میرے پروردگار نے تو عدل کا حکم دیا ہے۔ (الاعراف: ۲۵)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعلقات ان بنیادوں پر قائم کرنا جن سے ہر فرد کو اس کا جائز حق مل جائے۔ نیز یہ کہ جو کچھ ہم سوچیں، کہیں یا کریں اس میں سچائی کی میزان کسی طرف جھکنے نہ پائے۔ قرآن کریم میں عدل کے مرادفات قسط، وسط، میزان، اعتدال، قسطاس، مستقیم، تقدیر اور ان کے مشتقات وارد ہوئے ہیں اور یہ سبھی معانی اسلامی نظریۂ عدل کی ماہیت وترکیب میں شامل ہیں۔

اسلامی تصوّرِ عدل دنیا کے تمام افکار ونظامہائے زندگی اور جملہ دساتیر و قوانین کے مقابلے میں ہر اعتبار سے جامع، ہمہ گیر اور ارفع واعلیٰ ہے جس کے نمایاں خدوخال حسب ذیل ہیں۔

۱۔ سلسلۂ رشد وہدایت اور بعثت انبیاء کی غایت الغایات عدل وانصاف کا قیام واستحکام ہے۔ لقد ارسلنا رسلنا بالبینٰت وانزلنا معھم الکتٰب والمیزان لیقوم الناس بالقسط [۱] (الحدید: ۲۵)

۲۔ انسانی زندگی میں بدی کی جملہ قوتوں کو شکست دے کر نیکی اور خیر کا رجحان ابھارنے اور فطرت انسانی کے حقیقی مضمرات وامکانات کو بالفعل فطرت میں ڈھال کر سیرت وکردار کی تعمیر کرنے میں عدل کا کردار بنیادی ہے کہ عدل ہی تمام نیکیوں اور محاسن اعمال کی اساس ہے۔ عدل وتوازن کا جذبہ انسان کو ایسے سانچے میں ڈھال دیتا ہے کہ اس کے لیے ہر برائی اور بے حیائی سے اجتناب اور کنارہ کشی ممکن ہوجاتی ہے اسی لیے اخلاقی اور معاشرتی احکام داوامر

---

[۱] ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی ہوئی چیزیں دے کر بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب کو اور میزان کو نازل کیا تاکہ لوگ اعتدال پر قائم رہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے سلسلہ میں سب سے پہلے عدل کا ذکر فرمایا ہے : ان اللہ یامر بالعدل والاحسان الآیۃ

۳۔ اسلام میں عدل وانصاف کا دائرہ صرف اجتماعی امور اور باہمی معاملات تک ہی محدود نہیں بلکہ وہ ہر شعبۂ زندگی میں اور انسانی کردار کی ہر سطح پر عدل کا نفاذ چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں عدل کی مجمل تعلیم پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ انفرادی سے لے کر اجتماعی زندگی تک اور گفتار سے لے کر کردار، اخلاقی، روحانی، عائلی، معاشرتی، معاشی، سیاسی اور قانونی زندگی کے ہر پہلو میں عدل قائم کرنے کی تلقین کی ہے۔ اس سلسلہ میں ملاحظہ ہوں آیات ذیل ؛
نساء ۳، انعام ۱۵۳، بقرہ ۲۸۲، نساء ۱۳۵، حجرات ۹، وغیرہ۔

۴۔ شرعی احکام اور فقہی قوانین کی اساس و بنیاد عدل ہی ہے اور اسی عدل کی نسبت سے شریعت اسلامی میں اخلاق سے لے کر سیاست، معیشت اور معاشرت تک تمام شعبہ ہائے زندگی مل کر ایک وحدت و کل بناتے ہیں۔ علامہ ابن القیم کہتے ہیں ؛

انّ اللہ ارسل رسلہ وانزل کتبہ لیقوم الناس بالقسط وھو العدل الذی قامت بہ الارض والسمٰوٰت فاذا ظھرت امارۃ العدل واسفر وجھہ بأی طریق کان فثم شرع اللہ ودینہ۔

یعنی نظام عالم کی بنیاد عدل ہی بعثت کا مقصود بھی ہے اور جس بھی ذریعے اور طریقے سے عدل کا تحقّق ہو وہی شریعت اور دین قرار پائے گا۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر مصطفیٰ زرقا کا یہ بیان قابل غور ہے کہ "اسلام کی تین بنیادیں ہیں۔

۱۔ عقلِ انسانی کی خرافات ولغویات سے آزادی۔

۲۔ فرد کی روحانی، نفسیاتی اور اخلاقی اصلاح۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۔ معاشرہ میں قیام عدل و انصاف اور استقرار امن و امان۔

ڈاکٹر علی الخفیف رقمطراز ہیں کہ شریعت اسلامی کے اصول و قواعد اور تمام اغراض و مقاصد تین اساسی امور میں سمٹ آتے ہیں جو شریعت کی بنیاد بن قرار پاتی ہیں۔ یہ بنیادیں لوگوں کی مصلحتوں کی پاسداری، ان کے لیے آسانی و سہولت پیدا کرنا اور ان کے درمیان عدل و انصاف کا قیام ہے۔

۵۔ اسلام میں عدل و انصاف کی حدود اس قدر وسیع ہیں کہ دینی امتیاز اور مذہبی تفریق سے بھی بالاتر رہتے ہوئے زندگی کے ایک عالمگیر اور آفاقی اصول کی حیثیت سے اس کی تکمیل کا حکم دیا گیا ہے: ولا یجرمنکم شنآن قوم علی الا تعدلوا[6] عدل کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ اور سب سے بڑا فتنہ کسی قوم کی دشمنی اور عداوت ہے اور اس راہ میں سب سے زیادہ کٹھن منزل وہ ہے جب عدل کی زد اپنی ذات پر پڑتی ہو لیکن اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ عدل و انصاف کی ترازو ایسی صحیح اور برابر ہونی چاہیے کہ عمیق سے عمیق محبت اور شدید سے شدید عداوت بھی اس کے دونوں پلڑوں میں سے کسی پلڑے کو جھکا نہ سکے۔" کونوا قوامین بالقسط شہداء للہ ولو علی انفسکم... الایۃ[7]۔ یوں اسلام نے انصاف اور مساوات قائم کرکے ایک طرف اخوت دینی کی بنیاد رکھی اور دوسری طرف اخوت انسانی کی۔

---

[6] اور کسی جماعت کی دشمنی تمہیں اس پر نہ آمادہ کر دے کہ تم (اس کے ساتھ) انصاف ہی نہ کرو۔

[7] انصاف پر خوب قائم رہنے والے اور اللہ کے لیے گواہی دینے والے ہو جاؤ چاہے وہ تمہارے خلاف ہی ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قیامِ عدل ... حکومت کی بنیادی ذمّہ داری

یونانی حکماء سے لے کر حال کے سیاسی مفکرین تک سبھی اس بات پر متفق ہیں کہ مدنی الطبع انسان کے لیے ایک ہیئت اجتماعیہ کی ضرورت بدیہی ہے اور اجتماعی زندگی کے نظم کا قیام بہرحال ایک قوت قاہرہ، جسے ریاست کہتے ہیں، کا محتاج ہے کیونکہ فطرت انسانی جلب منفعت اور دفع مضرت کی خاطر ظلم و تشدد اور بغاوت و سرکشی کے کثیف جذبات سے آلودہ بھی ہے اور اپنے حقوق کی حفاظت اور سلامتی کی خواہاں ہونے کے باعث عدل و انصاف کی متقاضی بھی۔ پس عملی زندگی کا تجربہ اور انسانی فطرت کا علم یہی بتاتا ہے کہ انسانی معاشرہ کی بقاء و ترقی کے لیے حکومت کا وجود ناگزیر ہے جس کا اوّلین فریضہ عدل و انصاف کی اساس پر تمدن کی تنظیم ہے کہ عدل ہی پر جماعت اور حکومت کا نظام قائم ہے اگر یہ نہ ہو تو جماعت اور حکومت کا شیرازہ بکھر جائے اور کسی کی جان و مال اور آبرو سلامت نہ رہے۔ ابن سینا کہتے ہیں۔

"اجتماعی زندگی گزارنا انسان کی فطری مجبوری ہے اور زندگی کی گاڑی چلانے کے لیے مشارکت و تعاون لازمی ہے جس کا نتیجہ باہمی لین دین اور معاملات کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، معاملات کا تقاضا ہے کہ ان کے لیے عدل و انصاف کے قوانین متعین ہوں، یوں قانون اور حکومت کی بنیاد درحقیقت عدل ہی پر ہے ارسطو نے سچ کہا ہے کہ "العدل قوام الملک" یعنی عدل حکومت و سلطنت کی عمارت کا ستون ہے، اور حضرت علیؓ کا یہ ارشاد تو آب زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ "الملك يبقى مع الكفر ولا يبقى مع الظلم ..." یعنی کفر پر مبنی حکومت تو قائم و باقی رہ سکتی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بلکہ ظلم و ناانصافی کے ساتھ حکومت ہرگز باقی نہیں رہ سکتی۔

دینِ فطرت اسلام نے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کی ترتیب و تہذیب اور نشو و ارتقاء کے لیے جو ادارے قائم کئے ہیں ان میں ریاست کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، اسلامی زندگی کے لیے اسلامی حکومت کے ناگزیر ہونے پر اُمّت کا اجماع ہے، ارشادِ نبوی ہے:

الاسلام والسلطان اخوان توامان لایصلح احدھما الا بصاحبہما فالاسلام اُس، والسلطان حارس وما لا اُس لہ یھدم وما لا حارس لہٗ ضائع ۵ھ

یعنی اسلام اور سلطان (خلیفہ) "جڑواں بھائی ہیں جو اپنی بقا کے لیے ایک دوسرے کے محتاج ہیں، اسلام (معاشرہ کی) بنیاد مہیا کرتا ہے اور سلطان اس کی حفاظت کرتا ہے۔ پس جس شئے کی بنیاد نہ ہو وہ منہدم ہو جاتی ہے اور جس کا نگہبان نہ ہو وہ ضائع و رائیگاں۔

اسلام میں دنیا دین سے الگ نہیں اور وہ دونوں کے امتزاج سے عمرانی اساس پر ریاست کا ایک مربوط نظام پیش کرتا ہے جس کی روحانی بنیاد اگر خدا کی عبادت اور منعِ شرک متعین ہوتی ہے تو غایت نظامِ تمدّن کی استواری کے لیے عدل و انصاف کا قیام قرار پاتی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ریاستی اقتدار کے مفہوم کو ظاہر کرنے کے لیے جتنے بھی الفاظ وارد ہوئے ہیں مثلاً استخلاف فی الارض، تمکن فی الارض، وراثتِ الٰہی، امر، حکم، امانت وغیرہ ان سب میں اختیار و اقتدار سے زیادہ عدل گستری اور حق پژوہی کا مفہوم اور روح پائی جاتی ہے اور لفظ حکم اور حکومت کے اصل لغوی معانی "القضاء بالعدل" ہی کو حکومت و ریاست کی غایت قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ امام ابو یوسفؒ نے حکومت کے تنظیمی اصولوں کی تہ میں بندگانِ خدا میں نفاذ عدل کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تصور دیا اور اسے دین کا ایک حصہ ٹھہرایا اور ابن تیمیہ نے "السیاستہ الشرعیتہ" میں امیر کا سب سے بڑا فرض یہ بتایا ہے کہ وہ امانت کو اہل لوگوں کے سپرد کرے اور خدا و رسولؐ کے احکام کے مطابق عدل قائم کرے۔ ارشاد خداوندی: ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلہا و اذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل لہ اس سے عیاں ہے کہ اسلامی ریاست کا نصب العین احکام خداوندی کے تحت دین و دنیا کے معاملات میں معاشرے کے امور کا انتظام، حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تنفیذ اور مختلف طبقات انسانی کے درمیان عدل و انصاف کے اصول پر مساوات اور خوشحال زندگی کے نظم کا قیام ہے۔

عدل قرآن کریم کی رو سے اللہ تعالےٰ کا اہم ترین وصف ہے، جسے قرآن میں کئی بار مختلف الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ "واللہ یقول الحق" میں عدل قولی کی طرف اور "واللہ یقضی بالحق" میں عدل عملی کی طرف اشارہ ہے اور "وتمت کلمۃ ربک صدقا وعدلا" میں دونوں یکجا ہیں۔ پس "عدل" اللہ تعالیٰ کی نمایاں صفت ہے اور انسان اس کائنات ارضی میں خدا کا خلیفہ ہونے کے ناطے اس امر کا پابند ہے کہ نظم حیات میں خدا کی اس صفت کی بھرپور عکاسی کا اہتمام کرے کہ خلافت کا منشا یہی ہے ارشاد خداوندی ـــــــ

یاداؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الارض فاحکم بین الناس بالحق لله

اے داؤد ہم نے بنایا تمہیں خلیفہ زمین میں لہٰذا فیصلہ کیجئے لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ۔

لہ بیشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کو ادا کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو۔ تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

___ میں استخلاف فی الارض کی غرض و غایت حکومت بالحق یعنی بالعدل بیان کی گئی ہے۔

پھر اسلامی تصور ریاست کی رُو سے حکومت و امامت کی حقیقت صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت و خلافت ہے جیسا کہ الماوردی، ابویعلی، ابن خلدون وغیرہ سبھی مفکرین اسلام نے اس کی تصریح کی ہے اور قرآن کریم سے یہ اظہر من الشمس ہے کہ بعثت و رسالت کا مقصود قیام عدل و انصاف ہے۔ پس نبوت کی وراثت و جانشینی میں حکومت اسلامیہ کا اوّلین فریضہ بھی اسی مقصود بعثت کی تکمیل ٹھہرتا ہے۔ یوں جملہ سیاسی نظریات اور اسلامی تصوّر خلافت کی روشنی میں، ہیئت عمرانیہ انسانیہ کی تکوینی سنن الٰہیہ سے مطابقت پذیری اور ابدی الوہی اقدار زندگی کے مطابق صورتگری کے لیے اساس و بنیاد اور غایت و منتہیٰ "عدل" ہی ہے جو ریاست کا اساسی وظیفہ ٹھہرتا ہے۔

اسلامی حکومت میں نفاذ عدل کے ادارے

خلافت نام ہے رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کا تاکہ دین کی حفاظت ہو اور دین کا انتظام برقرار رہے اور ظاہر ہے کہ دین کی حفاظت اور عمرانی نظام کی برقراری کا اہتمام کسی فرد واحد کے بس کا روگ نہیں اس کے لیے افراد کے باہمی تعاون و مشارکت اور منظم اجتماعی اداروں کی ضرورت ہے جو خلیفہ کے کام میں اس کا ہاتھ بٹا سکیں۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں"

ما کان الملک لا یستطیع اقامۃ ھذہ المصالح کلھا بنفسہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وجب ان یکون لہ بازاء کل حاجۃ اعوان [۲۲]

یعنی جبکہ بادشاہ تنہا تمدن کی تمام مصلحتوں کو سرانجام نہیں دے سکتا تو اس کے لیئے ہر کام کیلئے معاونین کا ہونا ضروری ہے۔ یوں اسلام ریاست کے عملی اور نظریاتی پھیلاؤ کے حق میں ہے تاکہ مملکت کی اجتماعی زندگی کو برقرار رکھنے اور فرد کی شخصیت کو فروغ دینے کی خاطر ہر ضروری عمل کے لیے ایک ضروری ایجنسی یا ادارہ باقاعدہ طریقہ سے سنوار دیا جائے جس کے ذریعہ وہ عمل بے کم و کاست جاری رہے، ابن خلدونؒ رقم طراز ہے۔

ولہ علی کل حال مراتب خادمۃ و وظائف تابعۃ تتعین خططا وتتوزع علی رجال الدولۃ وظائف فیتم بذلک امر الملک ویحسن قیامہ بسلطانہ، فاعلم ان الخطط الدینیۃ الشرعیۃ من الصلوٰۃ والفتیا والقضاء والجھاد والحسبۃ کلھا مندرجۃ تحت الإمامۃ الکبریٰ التی ھی الخلافۃ [۲۳]

یعنی حکومت یا خلافت کا کام انجام دینے کے لیے ذیلی مناصب اور صیغے ہوتے ہیں اور مختلف کام اراکین حکومت پر بٹے ہوتے ہیں۔ جس سے خلیفہ اپنے فرائض سے بحسن وخوبی عہدہ برآ ہو پاتا ہے۔ پس جملہ دینی مناصب جیسے نماز، فتویٰ، قضاء، جہاد اور حسبہ وغیرہ امامت کبریٰ یعنی خلافت میں مندرج اور شامل ہیں۔

عدل وانصاف کا قیام چونکہ خلافت وحکومت کا اوّلین فریضہ اور بنیادی مقصد ہے اس لیے انفرادی اور اجتماعی سطح پر اس کا نفاذ مختلف اداروں کا محتاج ہے، اجتماعی سطح پر عدل نافذ کرنے والے ادارے حسب ذیل ہیں:

(۱) قضاء (۲) افتاء (۳) شرطہ (۴) حسبہ (۵) دیوان المظالم۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زیرِ نظر مضمون میں ہمارے پیشِ نظر اسلامی معاشرے میں نفاذِ عدل کے سلسلہ میں ان اداروں کے کردار کا اجمالی جائزہ لینا ہے۔

قضاء

قانون ایک ایسی ناگزیر ضرورت ہے کہ اس کے بغیر متمدن معاشرہ کا تصور ہی ممکن نہیں، اجتماعی شیرازہ بندی، حقوق کا تحفظ، مظالم کی روک تھام اور عدل و توازن کا استقرار قانون کا بنیادی مقصد ہے اس لیے قانون کی حکمرانی کا تصور بھی اسی قدر قدیم ہے جسقدر سوسائٹی میں عدل و توازن قائم کرنے کا شعور و احساس۔ اور ظاہر ہے کہ قانون کی حاکمیّت ایک عدالتی نظام کے قیام پر منحصر ہے کیونکہ قانون اور عدل کی محافظت اور تنفیذ کا سب سے بڑا ذریعہ عدالتی نظام ہی ہے۔

اسلام میں جس قدر اہمیّت عدل و انصاف کے نفاذ اور قانون کی حاکمیّت کو حاصل ہے اسی قدر نفاذ قانون اور قیام عدل کے اس سب سے بڑے ادارے یعنی قضا کو حاصل ہے کہ قضا کے بغیر ایسے معاشرے کا تصور بھی ناممکن ہے جس میں لوگوں کے حقوق میں معقول توازن و تناسب پایا جاتا ہو اور ہر فرد کو بغیر کسی رکاوٹ کے اس کا حق مل جاتا ہو یہی وجہ ہے کہ اسلام نے نظام قضا کا قیام اور ایک بالاتر عدلیہ کی تشکیل اُمّتِ مسلمہ کا فرض قرار دیا ہے۔

اسلام کے نظامِ قضا کے تمام پہلوؤں پر یہاں بحث کرنا دشوار بھی ہے اور لاحاصل بھی، البتہ موضوع سے متعلق بعض امور کو اجاگر کرنے کی کوشش کی جائیگی۔

قضا کی تنظیم اور خصوصیات صدرِ اسلام میں

عہد جاہلیت کے قبائلی نظام میں کسی منظم عدالتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ادارے کی تشکیل تو درکنار، تصور بھی ممکن نہ تھا اس لیے انصاف ایک انفرادی شے تھی، ہر شخص خود ہی اپنے حقوق کے تحفظ اور ظلم کا بدلہ لینے کی کوشش کرتا مخاصمات و نزاعات کے فیصلے کے لیے حکم، سردار قبیلہ، اور کاہن وعراف وغیرہ سے رجوع کرنے کی مثالیں تو ملتی ہیں لیکن قضاء کی یہ تمام صورتیں کسی قاعدے اور ضابطے کی پابند نہ تھیں اور نہ ہی کوئی با اختیار انتظامیہ ان کی تنفیذ کی ذمہ دار تھی۔ اسلام نے قضا کی عرف و عادت پر مبنی ان تمام شکلوں کی بساط لپیٹ کر ایک پاکیزہ اور عادلانہ نظام قضا جاری کیا اور انصاف کو ایک مرکزی اور حکومتی شے بنا دیا چنانچہ دنیا کے پہلے تحریری دستور "میثاق مدینہ" میں یہ تصریح ملتی ہے کہ اس معاہدہ میں شامل ہونے والے تمام افراد اپنے تنازعات اور مقدمات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رجوع کریں گے۔

عہد رسالت میں تشریع، تنفیذ اور قضا تینوں مناصب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے البتہ عارضی طور پر کسی مقدمے کے فیصلے اور اسکے نفاذ کے لیے اپنے نائب اور نمائندے کے طور پر کسی صحابی کو مامور فرما دیا کرتے تھے یوں اس صحابی کا فیصلہ بھی گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا فیصلہ ہوتا تھا۔ جب اسلامی ریاست کا دائرہ وسیع ہو گیا تو آپ نے مختلف علاقوں میں اپنی جانب سے والی اور حکام مقرر فرما کر قضا کی ذمہ داریاں بھی ان کے سپرد کر دیں، یوں عہد رسالت میں قضا انتظامیہ ہی میں شامل تھی، وجہ یہ تھی کہ حکومت کے کام نہایت مختصر تھے، فطری سادگی، تدین اور انصاف پسندی کا غلبہ تھا جس کی وجہ سے مقدمات و تنازعات بہت کم پیش آتے تھے لہٰذا مستقل قاضیوں کے تقرر کی حاجت نہ تھی۔ حضرت صدیق اکبرؓ کے دور میں قضا کا نظام تقریباً انہی خطوط پر چلتا رہا جن پر عہد رسالت میں تھا جزیرۂ عرب کو صدیق اکبرؓ نے متعدد صوبوں میں تقسیم کر کے ہر صوبے میں ایک والی مقرر کر رکھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھا جس کے ذمہ اقامت صلوٰۃ، تعلیم دین اور نظم و نسق کے امور کے ساتھ ساتھ لوگوں کے تنازعات کا فیصلہ اور حدود و قصاص کا نفاذ بھی تھا۔

عہدِ فاروقیؓ میں خلافت کی سرحدیں بہت زیادہ وسیع ہوگئیں، مختلف اقوام کے ساتھ ربط و ضبط میں ترقی ہوئی اور خلیفہ پر سلطنت کے مشاغل کی غیر معمولی کثرت ہوگئی تو ایک مستقل اور آزاد نظام عدالت کی ضرورت محسوس ہوئی چنانچہ زہری کی روایت کے مطابق حضرت عمرؓ نے عدلیہ کا تمام کام حضرت علیؓ کے سپرد کر دیا اور ہر صوبے میں مستقل اور آزاد قاضیوں کے تقرر کا سلسلہ شروع کیا قاضی کا انتخاب براہِ راست خلیفہ کا کام تھا اور اس انتخاب میں غیر معمولی علمیت و بصیرت، تقویٰ و عدالت اور منصفانہ فطرت کا بہت خیال رکھا جاتا تھا۔ قاضیوں کے لیے حضرت عمرؓ نے ایک لائحہ عمل تجویز فرمایا تھا جو حضرت ابو موسےٰ اشعریؓ کے نام آپ کے مکتوب گرامی کی صورت میں دستیاب ہے۔ معاشرے کے اندر نفاذِ عدل میں منصب قضا کی غیر معمولی اہمیت اور اسلام میں عدالتی دستور کی اصولی بنیادوں کا اندازہ لگانے کے لیے اس مکتوب کا ایک اقتباس یہاں پیش کیا جاتا ہے " عدالت میں مدعی اور مدعیٰ علیہ کو ایک نظر سے دیکھو، ان کی نشست گاہ تک میں کسی قسم کا امتیاز نہ کرو۔ عدل و انصاف میں کسی کی رعایت نہ کرو کسی بڑے آدمی کو کوئی ناجائز توقع اور کمزور کو انصاف سے مایوسی پیدا نہ ہو۔ بارِ ثبوت مدعی کے ذمہ اور مدعی علیہ پر قسم ہے فریقین کو شرعی حدود میں رہتے ہوئے باہمی مصالحت کی اجازت ہے جن جدید مسائل میں تردد پیدا ہو ان میں عقل و درایت سے کام لو اور سابقہ امثال و نظائر کی روشنی میں غور کرو۔ مدعی کو بآسانی گواہ اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ثبوت پیش کرنے کی مہلت دو۔ مسلمان ایک دوسرے کے لیے بطور عادل گواہ پیش ہو سکتے ہیں بجز تہمت زدہ اور مشتبہ افراد کے، دیکھو! قلق و اضطراب اور اذیت رسانی کی روش سے ہمیشہ بچنا۔"

قضا کے سلسلہ میں حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ نے بھی وہی راستہ اختیار کیا جس پر شیخینؓ گامزن تھے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ بعد میں آنے والا ہر خلیفہ اپنے پیشتر خلفاء کے فیصلوں کو لازماً نظائر (PRECEDENTS) کے طور پر اپنے فیصلوں کا ماخذ بناتا البتہ نئے پیش آمدہ مسائل میں قاضی کو قرآن و سُنّت کی بنیاد پر اپنے اجتہاد کے ذریعہ فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل تھا جیسا کہ حدیث معاذؓ سے عیاں ہے۔ قضاۃ کی ان اجتہادی کاوشوں نے آگے چل کر نہ صرف عدالتی امور میں بطور نظائر اہم کردار ادا کیا بلکہ فقہی احکام کی تدوین میں بھی ان سے بہت کام لیا گیا۔

خلافت راشدہ کے عہد میں محکمۂ قضا نہایت سادہ اور مختصر تھا۔ قاضی کے لیے کوئی پیشکار یا کاتب نہ تھا اور نہ ہی عدالتی فیصلوں کے اندراج کے لیے کوئی فائل اور رجسٹریشن کا کوئی انتظام تھا۔ وجہ یہ تھی کہ فیصلے کے بعد فوراً ان کا نفاذ قاضی بذات خود کر دیتا تھا اور بسا اوقات خود محکوم علیہ اپنے آپ کو نفاذ کے لیے پیش کر دیتا تھا۔ پھر لوگوں میں اخلاقی قدروں اور قانون کے احترام کا بھرپور جذبہ بھی موجود تھا اور قاضی کی شخصیت تقویٰ و پاکیزگی اور رعب و شوکت کے امتزاج کے باعث اپنے فیصلوں پر اعتماد اور احترام کی ضمانت بھی رکھتی تھی جس کے باعث لوگوں کو اپیل یا انحراف کی ضرورت پیش نہ آتی تھی۔ بعد کے ادوار میں جب سیرت زوال کا شکار ہو گئی اور احترام قانون اور قاضی پر اعتماد میں اضمحلال آ گیا تو رفتہ رفتہ عدالتی تنظیم میں ارتقاء اور پیچیدگی آتی گئی۔ چنانچہ خلیفہ مہدی عباسی کے عہد میں قاضی القضاۃ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا منصب وجود میں آیا جو عہد جدید کے وزیر عدل وانصاف کے ہم پلہ تھا۔ قاضی القضاۃ کے فرائض واختیارات ازحد وسیع تھے۔ تمام عالم اسلام میں قاضیوں کے تقرر سے لے کر فیصلوں تک جملہ عدالتی امور کی نگرانی چیف جج کے حیطۂ اختیار میں تھی۔ منصور کے زمانے میں ایسے مستقل گواہوں کی ایک باقاعدہ فہرست تیار ہونے لگی جو شہادت کے اسلامی معیار پر پورے اترتے تھے۔ دوسری صدی ہجری کے اواخر سے قاضی کے ساتھ ایک معاون "صاحب المسائل یا مزکّی" مقرر کیا جانے لگا جس کا کام گواہوں کی عدالت کے سلسلے میں تفتیش کرنا تھا۔ نورالدین محمود کے زمانے ایک "دارالعدل" تشکیل دیا گیا۔ جس سے قضا نے ایک پورے محکمہ کی شکل اختیار کر لی۔

قضا کی اہلیّت کے شرائط

قضا کا منصب اپنی نزاکت واہمیّت کے لحاظ سے حکومت کے دوسرے تمام مناصب پر فوقیّت رکھتا ہے۔ ملک کی ترقی اور خوشحالی اس منصب کی پاکیزگی اور حریّت پر موقوف ہے اگر اس منصب میں فساد واختلال رونما ہو جائے تو کوئی چیز ملک کو تباہی اور ہلاکت سے نہیں بچا سکتی۔ نظام الملک طوسی رقمطراز ہے "ملک اور حکمرانوں کو جو چیز قائم رکھتی ہے، وہ اللہ کی رضا اور خوشنودی ہے جو نیک عمل میں مضمر ہے اور اس کے حصول کا واحد ذریعہ عدل گستری اور انصاف پرستی ہے۔" اور اس میں شک نہیں کہ ایک آزاد اور تمام اثرات سے بالاتر عدلیہ کی موجودگی ہی قانون کی حکمرانی اور عدل کے نفاذ کی ضمانت ہے۔ قضا کی اہمیّت اور نزاکت کے پیشِ نظر ہی فقہاء کرام نے اس منصب پر تقرر کے لیے اہم شرائط بیان کی ہیں۔ امام ابوالحسن الماوردی نے قاضی کی سات شرطیں ذکر کی ہیں۔

۱۔ مسلمان ہونا، ارشاد خداوندی ولن یجعل اللہ للکفرین علی المؤمنین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سبیلا[۱۴] سے ثابت ہے کہ کافر کا فیصلہ مسلمانوں پر نافذ نہیں ہے۔ امام اعظمؒ کے نزدیک غیر مسلم اپنے ہم مذہبوں کا قاضی ہو سکتا ہے۔

۲۔ بالغ مرد ہونا۔ نابالغ خود "اہلیت وجوب" سے محروم ہے تو دوسروں پر اپنے حکم کا نفاذ کیونکر کرسکتا ہے؟ عورتوں پر مردوں کو فوقیت حاصل ہے "الرجال قوامون علی النساء الخ" پس عورتیں مردوں پر حاکم نہیں بن سکتیں۔ امام اعظمؒ کے نزدیک جن معاملات میں عورتوں کی شہادت جائز ہے، ان میں قضا بھی درست ہے۔

۳۔ صاحبِ عقل و ہوش ہونا۔ قاضی کے لیے ہوشیار، ذکی الطبع اور سہو و غفلت سے محفوظ ہونا لابدی ہے۔ تاکہ مشکل اور سخت معاملات کی گتھی سلجھا سکے۔

۴۔ آزاد ہونا۔ غلام بے اختیار اور گواہی دینے کے لیے بھی نااہل ہے۔

۵۔ عادل ہونا۔ عدالت سے مراد یہ ہے کہ صادق القول، امین، پاکدامن، پرہیزگار، شبہات سے محفوظ، خوشنودی و ناراضگی میں یکساں قابلِ اعتماد و اطمینان ہو۔ ان صفات میں سے کسی ایک صفت کا بھی فقدان منصب قضا کے لیے نااہل بنا دیتا ہے۔

۶۔ قوت سامعہ اور قوت باصرہ کی سلامتی بھی ضروری ہے تاکہ اثبات حقوق کی صحت، مدعی و مدعیٰ علیہ میں فرق اور اقرار و انکار کرنے والوں میں امتیاز ممکن ہو۔ البتہ دیگر جسمانی عوارض سے سلامتی قضا کے لیے ضروری نہیں۔

۷۔ مجتہد ہونا۔ علوم شرعیہ کے اصول سے واقفیت تامہ اور فروع میں اعلیٰ مہارت

---

[۱۴] اور اللہ کافروں کا ہرگز مومنوں پر غلبہ نہ ہونے دے گا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رکھنا قاضی کے لیے ضروری ہے۔ علامہ ماوردی فرماتے ہیں :

فاذا أحاط علمه بهذه الاصول الأربعة فی احکام الشریعة صار بها من اهل الاجتهاد فی الدین وجاز له ان یفتی ویقضی ..... وان اخل بها او بشئ منها خرج من ان یکون من اهل الاجتهاد فلم یجز ان یفتی ولا ان یقضی فان قلد القضاء فحکم بالصواب او الخطاء کان تقلیده باطلا وحکمه وان وافق الحق والصواب مردود ا؎

یعنی اگر اصول اربعہ (کتاب، سُنّت، اجماع اور قیاس) اس کے حیطہ علم میں داخل ہوں تو ارباب اجتہاد میں شامل ہوگا، اس کو مفتی و قاضی بننا و بنانا دونوں جائز ہوگا اور اگر اصول اربعہ سے قطعاً نابلد ہے یا بعض کو نہیں جانتا تو مرتبۂ اجتہاد سے ساقط ہے نہ اس کا افتاء جائز ہے نہ تصفیۂ مقدمات۔ اگر قاضی مقرر کر دیا گیا تو خواہ صحیح فیصلے کرے یا غلط بہر صورت اس کا تقرر باطل ہوگا اور تمام احکام درست یا غیر درست مردود ہوں گے۔

امام اعظمؒ کے نزدیک غیر مجتہد کی قضا جائز ہے کہ وہ معاملات و مقدمات کو فتویٰ حاصل کر کے فیصل کر سکتا ہے اس سلسلہ میں بعد کے اکثر علماء نے اضطراری اور ہنگامی حالات میں امام اعظمؒ کے مذہب کے مطابق غیر مجتہد کی قضا کے جواز کا فتوےٰ دیا۔

قاضی کی اہلیت کے سلسلہ میں اس حقیقت کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اسلام میں "فہم و ذکا" قضا کا بنیادی رکن ہے۔ وجہ یہ ہے کہ قضا کا تعلق احکام کی ظاہری مقررہ صورتوں کے نفاذ اور مقدمات کی ظاہری ہیئت اور شہادت و ضوابط کی تکمیل کے بعد فیصلہ تک رسائی سے ہے جبکہ واقع اور حقیقت میں صدق و حق، قاضی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے فیصلے کے بَرعکس بھی ہو سکتا ہے اس لیے حقیقی عدل و انصاف کے قیام کے لیے معاملات کی تہ تک رسائی اور مقدمہ کی ظاہری ہیئت سے ہٹ کر حق و سچائی کا کھوج قاضی کا فرض ہے تاکہ غلط فیصلہ سے معاشرہ میں اضطراب و اختلال جنم نہ لے سکے اور ظاہر ہے کہ اس سلسلے میں قاضی کے لیے سب سے زیادہ اہم چیز فہم و ذکا، بصیرت و دوربینی، معاملہ فہمی اور فطانت و ذہانت ہے۔

قاضی کے فرائض و اختیارات

بنیادی طور پر قاضی کا منصب فصل خصومات اور قطع منازعات ہے لیکن اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار میں خلفاء قاضی کو بہت سے فرائض اور اختیارات بھی سونپتے رہے ہیں۔ ابن خلدون لکھتا ہے " خلفاء اور سلاطین نے خلافت کے کاموں میں مصروف رہنے کے باعث قاضیوں کو بتدریج دیگر عہدے بھی دیئے اور آخر میں تو قاضیوں کو مقدمات کے فیصلوں کے اختیارات کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے بعض عام حقوق کی حفاظت کے اختیارات بھی حاصل تھے"۔

ذیل میں ہم امام ماوردی وغیرہ کے بیان کردہ قاضی کے اختیارات مختصر بیان کرتے ہیں۔

۱۔ تنازعات اور جھگڑوں کو فیصل کرنا۔

۲۔ اقرار یا شہادت کے ذریعہ ثابت شدہ حقوق لوگوں کو دلوانا۔

۳۔ ممنوع التصرف لوگوں (بچے، فاتر العقل، سفیہ اور مفلس وغیرہ) کے اموال و جائداد کی حفاظت اور ان کے تصرفات پر قدغن لگانا۔

۴۔ اموال یتامٰی کی حفاظت۔

۵۔ اوقاف کی نگرانی۔

۶۔ وصیتوں کا نفاذ اُن کی شرائط کے مطابق۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۷۔ بیوہ عورتوں کے ولی نہ ہوں تو ان کے نکاح کے بارے میں کفو کی نگرانی کرنا۔
امام اعظمؒ کے نزدیک یہ امر قاضی کے فرائض میں داخل نہیں۔

۸۔ شرعی حدود کا جاری کرنا۔

۹۔ راستوں اور مکانوں کی تعمیرات اور اصلاحات کی دیکھ بھال۔

۱۰۔ گواہوں، امینوں اور نائبوں کے حالات کی سراغرسانی۔

۱۱۔ دارالضرب (ٹکسال) کی نگرانی۔

۱۲۔ رویت ہلال کا انتظام۔

۱۳۔ بعض قاضی جیلوں کی اصلاحات اور نگرانی بھی کرتے تھے۔

حدود اختیارات

۱۔ اسلام میں کوئی بھی شخص انصاف اور قانون سے بالاتر نہیں اس لیے قاضی کے اختیارات کا دائرہ رعایا کے تمام طبقات اور حکومت کے جملہ افسران حتیٰ کہ سربراہ مملکت تک محیط ہے۔ چنانچہ قاضی کا فرض ہے کہ حکمرانوں کی سرگرمیوں کو شریعت کے معیار پر جانچے اور ان کی کڑی نگرانی کرتے ہوئے انہیں انحراف سے روکے رکھے۔

۲۔ فرائض عدل و انصاف کی حد تک قاضی کے لیے بجز اسلامی قوانین کی پیروی کے اور کوئی پابندی نہیں ہے اور اپنے تمام فیصلوں میں قاضی احکام الٰہی کا پابند ہے کہ خدا کے نازل کردہ قوانین کو چھوڑ کر اپنے خود ساختہ یا حکمرانوں کے تراشے ہوئے قوانین پر عمل کرنا ان کے مطابق فیصلے کرنا اور انہیں نافذ کرنا قرآن کریم کی رو سے ان انتہائی معاصی میں سے ہے جو عملاً کفر ہیں۔ ومن لم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون - "(اور جو کوئی اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو یہی لوگ تو کافر ہیں۔

۳۔ غیر قانونی سرگرمیوں اور اقدامات کو قانونی قرار دینا (تحلیل ما حرم اللہ) اسلام کی رُو سے قطعاً ناجائز ہے اس لیے عدلیہ کے کسی اعلیٰ ترین ادارے کو بھی یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ حکومت کے کسی غیر قانونی اقدام کو اپنے فیصلہ کے ذریعہ قانونی قرار دے سکے۔

۴۔ قانوناً شریعت کوئی جامد قانون نہیں ہے کہ محض قانون کی خاطر معاشرہ یا کسی فرد کو پریشان اور تنگ کیا جائے بلکہ عدل و مساوات کے تقاضوں کو پورا کرتے وقت مجبوریوں، ضرورتوں اور حالات کو پیش نظر رکھنا بھی قاضی کے فرائض کے شامل ہے۔ چنانچہ اگر عدل و انصاف کا تقاضا ہو تو مجتہد قاضی شرعی حدود میں رہتے ہوئے مناسب حد تک احکام میں تبدیلی کرنے کا مجاز ہے۔

قضا کے بنیادی اصول و ضوابط

اسلام کے نظام قضا کی نمایاں خصوصیات اس کے حسب ذیل بنیادی اصول و ضوابط سے عیاں ہیں۔

۱۔ عدلیہ کی آزادی اور مختاری

بعض جدید مفکرین کا خیال ہے کہ کسی ریاست کے متمدن اور غیر متمدن ہونے کا اندازہ محض اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کی عدلیہ کس حد تک با اختیار اور آزاد ہے۔ ایک مکمل طور پر با اختیار اور ہر قسم کے دباؤ سے آزاد عدلیہ ہی بیباکی اور جرأت مندی کے ساتھ قانون کے مطابق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فیصلے کرنے میں کامیاب ہو سکتی ہے۔ عدلیہ کی آزادی سے مراد یہ ہے کہ قاضی تشریعیہ اور انتظامیہ کے ہر قسم کے اثر و رسوخ سے بالکل بالاتر ہو کر اپنے ضمیر کے مطابق فیصلے کر سکتا ہو۔ جب بھی عدلیہ کے وقار، آزادی اور خود مختاری کا ذکر ہوتا ہے تو لوگ فرانس کے قانون دان "انٹیکو" کا نام لیتے ہیں کہ اس نے عدلیہ کی آزادی اور انتظامیہ سے علیحدگی کا تصوّر دیا لیکن یہ حقائق سے چشم پوشی ہے۔ عدلیہ کو باوقار اور بااختیار بنانے کا تصور سب سے پہلے ایک باقاعدہ اصول کی صورت میں اسلام نے چودہ سو سال پیشتر عملاً پیش کیا۔ عدلیہ کا انتظامیہ سے الگ ہونا اسلامی ریاست کے بنیادی اصولوں میں سے ہے بلکہ قرآن و سنّت کے احکام و قوانین کی دائمی حیثیّت کا مطلب یہ ہے کہ عدلیہ کو انتظامیہ اور مقننہ دونوں پر بالادستی حاصل ہے۔ وہ انتظامیہ کے تمام اقدامات کو چیک کر سکتی ہے اور مقننہ کے بنائے ہوئے جملہ قوانین کو پرکھ کر خلاف شرع قوانین کو کالعدم قرار دے سکتی ہے۔

۲۔ قانون کی حاکمیّت و بالاتری

قانون کی حکمرانی (Rule of law) گو ایک مغربی اصطلاح ہے جسے سب سے پہلے پروفیسر البرٹ ڈائسی نے اپنی کتاب Law of the constitution میں استعمال کیا اور اس حاکمیّت قانون کے تین پہلو پیش کیے۔

(۱) کسی بھی فرد کو قانون کی خلاف ورزی کرنے پر عدالت مجاز کے سوا اور کوئی سزا دینے کا مستحق نہیں۔

(۲) کوئی فرد خواہ کسی بھی اعلیٰ سے اعلیٰ حیثیّت کا حامل ہو۔ قانون سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بالا نہیں ہو سکتا۔

(۳) فرد کے حقوق کا تحفظ دستاویزی قانون سے نہیں بلکہ عدالت کے ذریعہ سے ہوتا ہے لہٰذا عدالت کا فرض ہے کہ وہ ہر قسم کے خوف و اثر سے بے نیاز ہو کر قانون کے نفاذ اور عدل کے استقرار کا کام انجام دے۔

قانون کی حکمرانی کے یہ تینوں اجزاء ہمیں ابتدا ہی سے اسلامی تعلیمات اور اسلام کے قائم کردہ معاشرہ اور عدالتی نظام میں مغرب سے کہیں زیادہ واضح، روشن اور رچے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہاں اس تفصیل کی گنجائش نہیں

۳۔ قانون کے سامنے سب کی برابری

اسلام میں قانون اور عدلیہ کے سامنے بلا امتیاز مذہب و نسل اور طبقہ و اقتدار کے سب افراد کے درمیان مساوات کا اصول سختی سے اپنایا گیا ہے۔ حتیٰ کہ سربراہ ریاست کو بھی کوئی تحفظ اور امتیاز حاصل نہیں۔ ایک جلیل القدر سلطان اور ایک معمولی شخص عدالت میں مساوی حق رکھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تاریخی ارشاد آج بھی جگمگا رہا ہے کہ "میری بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی اگر چوری کرے گی تو اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیا جائے گا"

۴۔ انصاف کی مفت اور جلد فراہمی

اسلام میں انصاف ہر شہری کا بنیادی حق ہے اس لیے انصاف رسانی کے سلسلہ میں کسی قسم کا کوئی معاوضہ لینا اسلامی تصوّر عدل کے منافی ہے۔ چنانچہ اسلامی طریقۂ عدل و انصاف میں کورٹ فیس کا کوئی وجود نہیں اور نہ مدعی پر اس قسم کی کوئی ذمہ داری ڈالی گئی ہے۔ اس کے ساتھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہی اسلام انصاف میں تعجیل یعنی جلدی کا قائل ہے اور ایک ایسا طریقۂ کار رکھتا ہے جس سے انصاف میں تاخیر نہ ہونے پائے کیونکہ انصاف کا جلد حاصل ہو جانا بھی انصاف میں شامل بلکہ انصاف کی روح ہے اور انصاف میں تاخیر خود انصاف ہی کی نفی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ انصاف کی مفت اور جلد فراہمی کے سلسلہ میں اصل الاصول ہے حکومت اور عوام کا باہمی تعلق اور رابطہ جس کے لیے اسلام نے ”اقامت صلوٰۃ“ کو ایک بہترین ذریعۂ ارتباط و اتصال کے طور پر اپنایا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ مظلوم اور منصف کا درمیانی فاصلہ جتنا قریب، کم اور آسان ہوگا اسی قدر انصاف جلد اور سستا مہیا ہوگا۔

۵ - انصاف کے تقاضوں کی تکمیل

ایک طرف تو اسلام یہ چاہتا ہے کہ انصاف نہ صرف ہو بلکہ ہوتا ہوا نظر بھی آئے اور دوسری طرف وہ انصاف کے تمام تقاضوں کی تکمیل قاضی کا فرض ٹھہراتا ہے۔ اس سلسلہ میں حسب ذیل ضوابط و آداب کی تکمیل ضروری ہے۔

(۱) عدالت میں قاضی نہ کسی کو سلام کرے اور نہ کوئی اسے سلام کرے۔

(۲) مقدمات کے فیصلے تنہائی میں نہ کرے (کھلی عدالت کا اہتمام)

مقدم کو مؤخر اور مؤخر کو مقدم نہ کرے۔

(۴) مقدمہ کے فریقین کے ساتھ ہر معاملہ میں یکساں برتاؤ کرے۔

(۵) ہدایا و تحائف سے بالکل احتراز کرے۔

(۶) غصّہ، بھوک اور جذباتی ماحول میں فیصلہ نہ دے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۷) مدعی اور مدعی علیہ دونوں کے بیانات سن کر فیصلہ دے۔ وغیرہ وغیرہ۔

افتاء

اسلام کی رو سے ذات خداوندی صرف محدود مذہبی معنوں میں ہی معبود نہیں بلکہ وسیع تر سیاسی اور قانونی مفہوم کے اعتبار سے حاکم، مطاع اور واضع قانون بھی ہے اس لیے اسلامی حکومت کے قوانین کا ماخذ کلام الٰہی (قرآن) اور عملی نمونۂ نبوّت (سنّت) ہے۔ ہر ضرورت کے وقت اور ہر نزاع میں فیصلے کے لیے قرآن وسنّت کی طرف رجوع کرنے کا حکم ہے" فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول ۔۔۔ الایہ" قرآن وسنّت کی طرف رجوع کا یہ عمل "استفتا" کہلاتا ہے اور ان مسائل کا شرعی حل پیش کرنا ادارہ "افتاء" کا کام ہے۔ یوں اسلامی حکومت میں عدل نافذ کرنے والے اداروں میں قضاء کے بعد بلکہ ایک اعتبار سے قضاء سے بھی زیادہ اہم ادارہ "افتاء" ہے۔

سطور ذیل میں اس ادارہ کا اجمالی تعارف موضوع کے اصل نقطہ یعنی "نفاذ عدل" پر ارتکاز کرتے ہوئے پیش کیا جاتا ہے۔

افتاء — ضرورت و اہمیّت

انفرادی طور پر ہر مسلمان اور اجتماعی طور پر مسلم معاشرہ احکام خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرنے اور قوانین اسلامی کے نفاذ کا پابند ہے کلمہ طیبہ پڑھتے ہی اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا اعلان و اقرار کر کے مسلمان "احکام الٰہی اپنی ذات پر لاگو اور نافذ کر لیتا ہے۔ لیکن چونکہ احکام پر عمل پیرائی مبنی ہے "علم و معرفت" پر اس لیے عمل سے پہلے احکام کا علم اور معرفت حاصل کرنا ہر مسلمان کا مذہبی فریضہ قرار دیا گیا ہے" طلب العلم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ۔ (الحدیث) ۔حصول علم کے دو ذریعے ہیں۔ ایک براہِ راست مصادر احکام سے رجوع جو تعلیم یافتہ حضرات کا کام ہے اور دوسرا اہل علم سے استفسار جو عوام اور ناخواندہ افراد کا فرض ہے۔ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون[۲] "یوں استفسار یعنی معرفت احکام کے لیے ادارۂ افتاء سے رجوع ایک مذہبی فرض قرار پاتا ہے۔ دوسری طرف اسلام اہل علم کی اولین ذمہ داری یہ بتاتا ہے کہ وہ احکام شریعت کا علم پھیلائیں اور لوگوں کو دین کے مقرر کردہ حقوق و فرائض سے آگاہ کریں۔ اور قوانین خداوندی پر عمل پیرائی کی تلقین کریں۔ فلو لا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون[۳] (القرآن) اور یہیں سے افتاء کی ضرورت، اہمیت اور شرعی حیثیت واضح ہو جاتی ہے چنانچہ انہی حقائق کے پیش نظر فقہا نے ہر بستی اور ہر شہر میں ایک اہل مفتی کا وجود "فرض کفایہ" قرار دیا ہے اور جس جگہ کوئی اہل مفتی موجود نہ ہو وہاں سکونت اختیار کرنا حرام اور وہاں سے ہجرت واجب ٹھہرائی ہے علامہ ابن حزم فرماتے ہیں:

فرض علی کل جماعۃ مجتمعۃ فی قریۃ او مدینۃ او حصن ان ینتدب منھم من یطلب جمیع احکام الدیانۃ... ثم یقوم

---

[۲] سو اگر تم لوگوں کو علم نہیں تو اہل علم سے پوچھ لو۔

[۳] یہ کیوں نہ ہو کہ ہر گروہ میں سے ایک حصہ نکل کھڑا ہوا کرے تاکہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں۔ اور تاکہ یہ اپنی قوم والوں کو جب وہ ان کے پاس آجائیں ڈراتے رہیں۔ عجب کیا کہ وہ محتاط رہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بتعلیمهم فان لم یجد وا فی محلتهم من یفقههم فی ذٰلک کلهٗ ففرض علیهم الرحیل الی حیث یجدون العلماء المجتهدین فی فنون العلم وان بعدت دیارهم وان کانوا بالصین

افتاء کی اس اہمیت کے پیش نظر امت مسلمہ اور خلافت اسلامیہ کا یہ فرض قرار پایا ہے کہ وہ اہل مفتیوں کی تیاری و تربیت اور ادارہ افتاء کی تشکیل و تنظیم کے لیے ضروری وسائل و اقدامات سے کام لے۔ مدارس کی تشکیل طلبہ کا انتخاب، اخراجات کی کفالت اور پھر مناصب افتاء پر اہل افراد کا تقرر یہ سب خلیفہ کے فرائض ہیں۔ ابن خلدون رقم طراز ہے۔

فالخلیفة تصفح اهل العلم والتدریس ورد الفتیا الی من هو اهل لها واعانته علی ذٰلک ومنع من لیس اهلا لها وزجرهٗ لا نها من مصالح المسلمین، فتجب علیه مراعاتها، لئلا یتعرض لذلک من لیس لهٗ اهل فیضل الناس[۸] له

یعنی خلیفہ کا فرض ہے کہ وہ فتوے نویسی کے لیے علماء اور مدرسین میں سے کسی قابل عالم کو منتخب کرے، پھر اس کے کام پر اس کی اعانت کرے اور ہر ممکن سہولت مہیا کرے، نا اہلوں کو فتویٰ نویسی سے روک دے، کیونکہ افتاء مسلمانوں کے مصالح کا بنیادی ستون ہے جس کی حفاظت و نگہداشت خلیفہ پر واجب ہے تاکہ اس منصب میں نااہل لوگ داخل ہو کر لوگوں کو گمراہ نہ کرنے پائیں۔ معروف حنفی فقیہ ابن نجیم کہتے ہیں:

ینبغی للامام ان یسأل اهل العلم المشهورین فی عصره عمن یصلح للفتویٰ یمنع من لا یصلح ویتوعدهٗ بالعقوبته اذا عاد۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یعنی امام پر واجب ہے کہ اپنے زمانے کے معروف اہل علم افراد سے منصب افتاء کے لیے اہل مفتیوں کے بارے میں معلوم کرے۔ اور نا اہلوں کو فتوے نویسی سے روک دے اور مخالفت پر سزا دے۔ ادارہ افتاء کی تنظیم و نگرانی خلیفہ کا فرض اس لیے بھی ہے کہ ابن خلدون کی تصریح کیمطابق افتاء بھی منجملہ ان مناصب و وظائف سے ہے جو خلافت و امامت میں شامل ہیں پھر چونکہ قیام عدالت شریعت کا مقصد ہے اس لیے ایسے تمام انتظامات جو عدل پر مبنی ہوں خلیفہ کی ذمہ داری قرار پاتے ہیں:

افتاء کی اہلیت و شرائط

منصب افتاء پر فائز ہونے والے کے لیے فقہاء کرام نے چار شرطیں مقرر کی ہیں:۔

۱۔ اسلام: مفتی چونکہ احکام خداوندی کی روشنی میں مسائل کا حل پیش کرتا ہے اس لیے اس کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔

۲۔ بلوغ و عقل: مفتی کے لیے فہم شریعت ضروری ہے۔ اور یہ فہم و تفقہ عقل و بلوغ کا متقاضی ہے۔

۳۔ عدالت: دوسروں کو شریعت کی تعلیم دینے والے اور لوگوں کے دینی مسائل کا فیصلہ کرنے والے کے لیے بذات خود احکام شریعت پر عمل پیرا ہونا بدیہی ضرورت ہے، عدالت کا مفہوم پہلے بیان ہو چکا ہے۔

۴۔ اجتہاد: مفتی کا کام چونکہ نئے پیش آمدہ مسائل کا شرعی حل پیش کرنا ہے۔ اس لیے اجتہادی صلاحیت سے بے بہرہ شخص اس اہم کام کے لیے نا اہل قرار پاتا ہے، مفتی کے لیے اہلیت اجتہاد کا ہونا ناگزیر ہے۔

عبد النبی احمد نگری نے دستور العلماء میں فتوے کے سلسلہ میں سات اہم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نکتے بیان کیے ہیں جو ایک مفتی کو اپنے پیشِ نظر رکھنے چاہئیں۔

۱۔ افتاء ثلاثی مزید کے پہلے باب افعال سے ہے۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ کہ جو شخص درجۂ افتاء کو پہنچ گیا اس کے لیے کامیابی کے مزید ابواب بھی کھلیں گے۔

۲۔ مفتی کو صاحب فتوت ہونا چاہیے کیونکہ فتوے اور فتوت کے درمیان اخوت (ہم جنسی) ہے۔ اس لیے مفتی نہ تو مستفتی سے کوئی طمع رکھے اور نہ فتویٰ کی کثرت سے ملال یا بیزاری کا اظہار کرے۔

۳۔ افتاء کے اوّل و آخر الف ہونے میں اشارہ ہے کہ مفتی کو ابتداء سے انتہا تک امورِ دین کے بارے میں استقامت و صداقت کا پیکر ہونا چاہیے۔

۴۔ افتی ایک متعدی فعل ہے اس لیے مفتی کا علم بھی متعدی یعنی دوسروں تک اپنا نفع عام کرنے والا ہو،

۵۔ افتاء میں پانچ حروف اس طرف اشارہ کرتے ہیں کہ مفتی اسلام کے ارکان خمسہ کا بھی پورا پورا خیال رکھے۔

۶۔ افتی باعتبار ثلاثی مجرد کے افعال غیر متصرفہ میں سے اور باعتبار ثلاثی مزید فیہ کے افعال متصرفہ میں سے ہے اس میں اشارہ یہ ہے کہ مفتی بنیادی نصوص اور اصول میں کسی قسم کا تصرف نہیں کر سکتا البتہ فروعات میں تصرّف کر سکتا ہے۔

۷۔ افتاء کی باعتبار ابجد، عددی قیمت ۴۸۲ ہے پس مفتی کے پاس اصول و فروع کی کتابوں کی تعداد اس سے کم نہیں ہونی چاہیے۔

مفتی کے فرائض و آداب

۱۔ مفتی کو اس حقیقت کا شعور و احساس ہونا چاہیے کہ وہ جو کچھ کہہ یا لکھ رہا ہے اس کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حیثیت دین اور شریعت کی ہے جس پر وہ خدا کے سامنے جواب دہ ہو گا۔ اس لیے ہر مسائلہ میں گہرے غور و فکر، امعان نظر اور طویل سوچ بچار اور حتی الامکان حق و راست تک رسائی کا ایقان حاصل ہونے کے بعد فتویٰ صادر کرے کہ اس کا یہ فتوے انفرادی اور اجتماعی زندگی پر بڑے گہرے اور دور رس اثرات چھوڑے گا۔

۲۔ مفتی کے لیے سوال کرنے والے کے شہر یا بستی کے رسوم و عادات اور اسلوب حیات پر گہری نظر رکھنا ضروری ہے تاکہ وہ حالات، نوعیت معاملہ اور روح شریعت کی روشنی میں صحیح فیصلہ پر پہنچ سکے۔ اگر کسی معاملے میں شرعی حکم، یا نوعیت معاملہ مفتی کے فہم سے بالاتر ہے تو فتوے دینے کے بجائے لاعلمی کا اظہار مفتی کے لیے مناسب بلکہ لازمی ہوگا۔

۳۔ مفتی پر لوگوں کے طے شدہ حقوق و فرائض کا ہو بہو بیان کر دینا فرض ہے۔ اس سلسلہ میں مسائل یا اس کے فریق مقابل کی خاطر لچک یا جھکاؤ قواعد افتاء کے خلاف اور حرام ہوگا۔

۴۔ مفتی کے لیے ضروری ہے کہ وہ پیش آمدہ مسائل میں حسبِ ترتیب غور و فکر کر کے فتاویٰ صادر کرے عورت یا مسافر کو اگر جواب دینے میں تاخیر سے کسی ضرر کا اندیشہ ہو تو پھر ان کے مسائل پر پہلے غور کیا جا سکتا ہے ورنہ ترتیبِ تسلسل کا خیال نہ رکھنا بد دیانتی شمار ہوگا۔

۵۔ مفتی کے لیے تہمت و الزام کے مواضع سے اجتناب کرنا لازمی ہے تاکہ اس کا فتوے بلا تردد قبول کیا جا سکے۔ اس سلسلہ میں سائل سے کسی قسم کا ہدیہ لینا بھی مفتی پر حرام ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۶۔ مفتی کے لیے نرم خو، متواضع اور بردبار ہونا ضروری ہے سائل سے درشتی یا تندی کی روش اپنانا منصب افتاء کے منافی ہے۔ پھر مفتی پر عالمانہ وقار، شان اور سکون و طمانیت کا مظاہرہ بھی ضروری ہے کہ منصب افتاء کی توہین نہ ہونے پائے۔

۷۔ فتوے کی بنیاد مصادر شریعت پر استوار ہونی چاہیے، فتوے کی عبارت مختصر سلیس اور واضح ہو اور ایسی مرتب ہو کہ "قانونی نص" قرار پائے۔ فتوے بے دلیل نہیں ہونا چاہیے[۱۹]

افتاء کا تاریخی پس منظر

افتاء کا سلسلہ چونکہ عہدِ رسالت سے شروع ہوتا ہے اس لیے اس ادارہ کی تاریخ بھی اتنی ہی قدیم ہے جتنی خود دین اسلام کی۔ البتہ فتویٰ پوچھنے اور فتوے دینے کے طریقے بدلتے رہے۔ عہدِ رسالت اور صحابہ کرامؓ کے دَور میں فتاویٰ کا سلسلہ اکثر و بیشتر زبانی طور پر ہی چلتا رہا جس طرح دیگر علوم و معارف زیادہ تر زبانی روایت پر موقوف تھے۔ عہدِ رسالت میں تمام فتاوے کے سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مرجع خلائق تھے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی مہبط وحی اور شارع اسلام تھے۔ بعض صحابہ کرامؓ نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے، اپنے اجتہاد کے ذریعہ بعض دینی مسائل کے بارے میں فتاوے صادر فرمائے جن میں سے حضرت علیؓ، حضرت معاذؓ، حضرت حذیفہؓ اور حضرت عمروؓ بن العاص کے نام قابل ذکر ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف ان صحابہؓ کے فتاوے کی تصویب فرمائی بلکہ اجر و ثواب کا وعدہ بھی فرمایا۔ دورِ نبوت کے بعد صحابہؓ کے عہد میں بھی افتاء کا سلسلہ جاری رہا۔ زیادہ تر فتاوے زبانی روایت ہوتے رہے، لیکن بعض فتاوے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تحریر میں بھی آئے۔ اس دور میں فتاوے کا منصب اجلّہ صحابہؓ کے سپرد تھا۔ ایسے ۱۳۰ جلیل القدر صحابہؓ کے نام تاریخ میں ملتے ہیں۔

تابعین اور تبع تابعین کے دور میں بھی منصب افتاء اجلّہ علماء کے سپرد رہا مثلاً سعید بن المسیب، سعید بن جبیر، عکرمہ، مجاہد، عطاء، علقمہ بن قیس، قاضی شریح ابراہیم نخعی اور حماد بن ابی سلیمان وغیرہ صحابہ کرامؓ کے عہد میں فتاوے کے سلسلہ میں مجتہدین کے درمیان بعض مسائل میں اختلاف رائے موجود تھا۔ لیکن تدوین فقہ کے زمانے میں اس اختلاف میں بڑی وسعت پیدا ہوئی۔ جس کے بہت سے اسباب تھے۔ اس اختلاف رائے کے نتیجے میں اہل الحدیث اور اہل الرائے کے دو طبقے پیدا ہوئے۔ ائمہ مجتہدین کے دور کے بعد فتاوے کا اجرا اجتہاد کی بجائے تقلید کی بنیاد پر ہونے لگا کیونکہ ایک تو خلافت اسلامیہ کی وحدت ختم ہو گئی دوسرے نااہل لوگوں سے منصب افتاء و اجتہاد کو بچانے کے لیے تقلید ہی کو شیوہ حیات بنا لیا گیا۔ جدید دور میں اجتہاد کی اہمیت اور ضرورت پر زور دیا جا رہا ہے اور طے ہو رہا ہے کہ تقلید محض کی ڈگر سے نکلنے کی کوشش کی جائے اور لوگوں کی مصالح مرسلہ اور ترقی پذیر اسلامی معاشرے کی ضروریات کو پیش نظر رکھ کر جملہ فقہائے اسلام کے اقوال کو فتاوے کی بنیاد بنایا جائے۔ اس سلسلہ میں ہم کہہ آئے ہیں کہ عدل و انصاف اور تغیر پذیر حالات کا تقاضا ہو تو فقہی احکام کو تبدیل بھی کیا جا سکتا ہے۔

نفاذ عدل میں افتاء کا کردار

عدل کا تصوّر دو مستقل حقیقتوں سے مرکب ہے ایک یہ کہ لوگوں کے درمیان حقوق میں توازن و تناسب قائم ہو۔ دوسری یہ کہ ہر ایک کو اس کا حق بے لاگ طریقہ سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیا جائے۔ اسلام کا ادارۂ افتاء معاشرہ میں عدل کی ان دونوں حقیقتوں اور دونوں پہلوؤں کی تکمیل میں بھرپور کردار ادا کرتا ہے۔ نفاذِ عدل میں افتاء کا یہ کردار حسب ذیل رُخ رکھتا ہے۔

۱۔ معاشرہ کے تمام افراد اور طبقات کے حقوق و فرائض اسلام نے متعین کر دیئے ہیں۔ حقوق کے تحفظ اور فرائض کی حسن ادائیگی کا انحصار افراد کی اخلاقی تربیّت، ان کو اللہ کی توحید پر مستحکم ایمان بخشنے، ایک رضا کارانہ جذبہ اطاعت اور ذمہ داری و جوابدہی کا گہرا احساس پروان چڑھانے پر ہے اور اسلامی معاشرے میں یہ کام ادارہ "افتاء" انجام دیتا ہے جس کی دو حیثیتیں ہیں ایک تو یہ تعلیمی اور تبلیغی حیثیت میں لوگوں کے حقوق و فرائض کو اسلامی احکام کی روشنی میں بیان ہی نہیں کرتا بلکہ اسلامی اخلاقی قدروں کو اُجاگر کرنے، باہمی حقوق کی پاسداری اور اپنے فرائض کی ادائیگی کا جذبہ و احساس راسخ کرنے میں بھی بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ کیونکہ یہ طے شدہ حقیقت ہے کہ اسلامی قوانین پر عملدرآمد، امن و امان کے استقرار، عدل و انصاف کے قیام، اور فتنہ و فساد اور برائیوں کے انسداد کے لیے حکومت کے پیچیدہ اداراتی نظام سے کہیں زیادہ عوام کی اخلاقی تربیّت کے ذریعہ انفرادی رضا کارانہ جذبہ اطاعت اُبھارنے کی ضرورت ہے۔

۲۔ معاشرہ میں امن کے استقرار اور عدل کے نفاذ کے لیے تنہا قانون کا جبر کچھ نہیں کر سکتا بلکہ رائے عامہ ( ) جو ایک قابل قدر اور ضروری قوت ہے، قانون کے جبر کے ساتھ مل کر ایک اچھے نظام عدل گستری کی بنیاد ڈالتی ہے وجہ یہ ہے کہ لوگوں کے باہمی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معاملات میں جب تک عدل کی رُوح کارفرما رہتی ہے اجتماعی ضمیر اس کی تائید کرتا رہتا ہے، جب یہ معاملات عدل سے ہٹ جائیں تو لوگوں میں اس کے خلاف احتجاج و اضطراب پیدا ہو جاتا ہے، یوں نفاذِ عدل کے سلسلہ میں اجتماعی ضمیر ایک محتسب کا کردار ادا کرتا ہے اور ادارہ افتاء باہمی حقوق کی حفاظت، فرائض کی ادائیگی اور تنازعات کے عادلانہ حل تلاش کرنے کے لیے رائے عامہ کو ہموار اور اجتماعی ضمیر کو بیدار کر کے بالواسطہ طور پر عدل کے نفاذ میں اپنا کردار ادا کرتا ہے۔

۳۔ اسلام عدل و انصاف کے قیام میں محض جامد قانون پر انحصار نہیں کرتا بلکہ معاملات سے متعلق اکثر امور مفتی اور مجتہد کی صوابدید پر چھوڑ دیتا ہے۔ تاکہ وہ پیش آمدہ مسائل کی خصوصی نوعیت، اور حالات و زمانہ کی رعایت سے عدل و انصاف پر مبنی بہترین حل اسلامی اصولوں کی روشنی میں پیش کر سکے۔ اس طرح معاشرے میں نفاذِ عدل کے دیگر تمام اداروں کی رہنمائی بھی ادارۂ افتاء ہی کا فریضہ ٹھہرتا ہے۔ چنانچہ قضاء، شرطہ، حسبہ اور ولایت المظالم سبھی عدالتی اور نیم عدالتی ادارے دینی مسائل میں عدل پر مبنی درست حل کے سلسلہ میں افتاء کے محتاج اور ضرورت مند ہیں۔ اِسی لیے امام اعظمؒ نے غیر مجتہد کا بطور قاضی تقرر جائز ٹھہرایا ہے، کہ وہ مفتی سے فتوے لے کر اجتہادی مسائل کا فیصلہ کر سکتا ہے۔

۴۔ تصورِ عدل کے دوسرے پہلو یعنی حقوق کے بے لاگ نفاذ کے سلسلہ میں گو بظاہر افتاء کا کردار ثانوی محسوس ہوتا ہے مگر فی الحقیقت ادارۂ افتاء اس ضمن میں بھی بنیادی احتسابی کردار ادا کر سکتا اور کرتا رہا ہے۔ چنانچہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک طرف اگر ادارۂ افتاء اپنی معنوی قوت نافذہ سے کام لے کر اپنے صادر کردہ فتاوے کے نفاذ اور ان پر عمل پیرائی کا اہتمام کرتا ہے تو دوسری طرف جملہ عدالتی اداروں کو نفاذ عدل میں جائز اور درست فیصلوں پر پہنچنے میں رہنمائی سے لے کر ظلم و ناانصافی پر سخت نکتہ چینی، تنبیہ اور احتجاعی احتجاج وغیرہ تک بھی افتاء کا کام ہے۔ اس سلسلہ میں تاریخ اسلام ادارۂ افتاء کی جرأت مندی کی زریں مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ یہاں ماضی قریب میں عہد عثمانی کے دو تین واقعات کی طرف اشارہ کر دینا ہی کافی ہوگا۔

ایک مفتی صاحب نے جن کا نام جمالی تھا، سلطان کو دو بار سزائے موت کے غلط فیصلوں پر سخت ٹوکا اور عذاب آخرت سے ڈرا کر ان فیصلوں کے نفاذ سے روک دیا چنانچہ یوں تقریباً ۶۰۰ افراد کی جان بچ گئی۔

سلطان سلیمان نے مفتی ابو سعید سے کہا کہ وہ مفتوح ممالک کے غیر مسلموں کے قتل کا فتویٰ صادر کریں تو مفتی نے صاف انکار کر دیا۔ شہر آرمینہ میں فاتح مسلم فوج نے غیر مسلموں کی جائداد لوٹنا شروع کر دی، مفتی شہر نے ایسا کرنے کو ناجائز قرار دیا تو بقول اقبالؒ عالم یہ ہو گیا ہے

چھوتی نہ تھی یہود و نصاریٰ کا مال فوج
فتویٰ یہ سارے شہر میں مشہور ہو گیا

شرطہ

مشاہدہ اور تجربہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان اپنی فطرت میں جنگجو fighting Animal

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

واقع ہوا ہے چنانچہ ابتدائے آفرینش ہی سے ظلم و تشدد اور جرائم کے ارتکاب کا سلسلہ شروع ہو گیا واقعہ ہابیل و قابیل سے انسان کی مجرمانہ ذہنیت اور جرم کی سزا سے بچ نکلنے کی سعی کا اظہار ہوتا ہے۔ سوسائٹی کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ ظلم و تشدد کے مظاہر اور جرائم میں بھی اضافہ ہو گیا اور اس بات کی ضرورت محسوس ہونے لگی کہ ظلم کی روک تھام اور مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے سوسائٹی میں سے ایک منتخب جماعت کو مامور کیا جائے چنانچہ ہر زمانے میں کسی نہ کسی صورت منظم یا غیر منظم پولیس کا وجود رہا جو انسان اور سوسائٹی کے ساتھ ارتقاء کی منازل طے کرتے کرتے آج موجودہ تنظیمی ہیئت میں سامنے آئی ہے۔

معاشرتی امن و سکون کا استقرار اسلام کے مقاصد جلیلہ میں سے ہے اس لئے معاشرتی امن و سلامتی کو برباد کرنا اور فتنہ، گناہ کبیرہ اور قتل انسانی سے بھی زیادہ گھناؤنا جرم ہے۔ قرآن کریم کی رو سے معاشرے میں امن و سلامتی برقرار رکھنا افراد اور حکومت کی مشترکہ ذمہ داری ہے اور اس اہم ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے حکومت کے اہم ترین انتظامی ادارے "شرطہ" کا وجود ناگزیر ہے ابن سینا نے نظام معاشرہ کی جو تقسیم کی ہے اس سے معاشرہ میں پولیس کا مقام واضح ہو جاتا ہے۔ اس کے نزدیک معاشرہ میں تین طبقوں کا وجود ناگزیر ہے اول ایک المدبرون، یعنی حکومت اور کاروبار سیاست چلانے والے۔ دوسرے الصناع، یعنی صنعت و تجارت میں مصروف رہنے والے تیسرے الحفظة، یعنی نظام زندگی کا دفاع کرنے والے۔ یہی طبقہ شرطہ یا پولیس کہلاتا ہے جسے ابن خلدون ایک دینی منصب اور ادارہ قرار دیتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ادارۂ شرطہ کی تنظیم اور فرائض۔ اسلامی تاریخ میں

اسلامی ریاست کے ایک منظم اجتماعی ادارے کی حیثیت سے شرطہ کا قیام شاہکار رسالت فاروق اعظم رضی کی جدت طرازیوں میں سے ہے۔ عہد رسالت میں پولیس کا باقاعدہ ادارہ موجود نہ تھا امن عامہ کا کام قبائلی قیادتیں خود انجام دیتی تھیں۔ دوسرے افراد کی سیرتیں جس نہج پر ڈھل چکی تھیں اس میں تخریب وتشدد اور بدامنی پھیلانے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ خلیفۂ اوّل صدیق اکبر رض معاشرتی نظام کی ہر چیز کو اسی حالت میں رکھنے کے خواہاں تھے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑی تھی اس لئے انہوں نے نئے انتظامی ادارے تشکیل دینے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ عہد فاروقی میں کثرت فتوحات اور وسعت تمدن کے باعث امن وامان کے استقرار کا مسئلہ اہمیت اختیار کر گیا جس کے لئے آپ رض نے ادارہ شرطہ کی تشکیل کی حضرت عثمان رض نے "صاحب شرطہ" کا منصب جاری کیا۔

اموی خلفاء ابتدا ہی سے دارالخلافہ میں اپنی حفاظت اور امن وامان کے قیام کے لئے پولیس کا دستہ رکھتے تھے اسی طرح صوبوں اور مرکزی شہروں میں بھی شرطہ کی جماعتیں رکھی جاتی تھیں البتہ کم درجے کے شہروں میں شرطہ کی جگہ معونہ کی جماعت ہوتی تھی جو پولیس ہی کے فرائض انجام دیتی تھی۔ ان جماعتوں کے سربراہوں یعنی صاحب الشرطہ اور صاحب المعونۃ کے ذمہ یہ کام ہوتا تھا کہ وہ اپنے ماتحت علاقے کی نگرانی اور انتظام کرے اور جرائم کی روک تھام کے لئے راتوں کو گشت لگائے۔ جرائم کی تحقیقات کرنا اور مجرم کو سزا دینا بھی عموماً صاحب الشرطہ کے فرائض میں داخل ہوتا تھا اُس کا فیصلہ شرعی قوانین کے بجائے عرف وعادت اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سیاسی تقاضوں کے مطابق ہوتا تھا کیونکہ اس طرح وہ عوام کی مصلحتوں کی رعایت اور امن وامان کے استقرار میں جرائم پیشہ اور شر پسند عناصر کے خلاف زیادہ سختی کے ساتھ اور وسیع پیمانے پر کارروائی کرسکتا تھا اور آسانی سے ظلم و تشدد کے رجحانات اور ان کے اسباب و موجبات کا قلع قمع کرسکتا تھا۔

خلافت عباسیہ، اندلس کی حکومت امویہ اور مصر و مغرب کی فاطمی حکومت میں صاحب الشرطہ کے اختیارات قاضی کے اختیارات سے قدرے وسیع تھے کہ وہ محض شبہے کی بنا پر یا ماتحت افسروں کی اطلاع پر مظلوم کی فریاد کا انتظار کئے بغیر از خود تحقیقاتی کارروائی شروع کرسکتا تھا، جرائم پیشہ لوگوں کو غنڈہ گردی سے روکنے کے لئے سزائیں بھی دے سکتا تھا۔ اسے مشتبہ افراد کو قید کرنے اور اعتراف جرم کرانے کے لئے ان پر سختی کرنے کا بھی اختیار تھا لیکن رعایا کے تمام طبقات اس کے تابع فرمان نہ تھے بلکہ اس کا حکم صرف ادنیٰ درجہ کے لوگوں اور بالخصوص مشکوک اور بُری شہرت رکھنے والے افراد ہی پر چلتا تھا۔

عہد عباسی میں صاحب الشرطہ ہی صیغۂ احتساب کی نگرانی بھی کرتا تھا نیز وہ فوجداری مقدمات کا فیصلہ اور فیصلہ شدہ تعزیرات کا مجرموں پر نفاذ بھی کرتا تھا۔ اندلس میں شرطہ کو دو حصوں میں تقسیم کردیا گیا تھا۔ الشرطۃ الکبریٰ اور الشرطۃ الصغریٰ۔ الشرطۃ الکبریٰ کے دائرہ اختیار میں تمام سرکاری افسر، ان کے اقارب اور اعلیٰ طبقہ کے افراد کی بدعنوانیوں اور مظالم کے خلاف کارروائی شامل تھی جبکہ الشرطۃ الصغریٰ کا تعلق عام لوگوں اور بالخصوص ادنیٰ طبقہ کے افراد سے تھا۔[22]

نفاذ عدل میں شرطہ کا کردار: شیر شاہ سوری کا قول ہے کہ "ہر ایک انتظامیہ کا استحکام انصاف پر مبنی ہوتا ہے۔" چنانچہ ادارۂ شرطہ کا مقصد نظم معاشرہ میں توازن و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اعتدال کی برقراری، افراد کی استواری کردار اور اسلامی اقدار کا تحفظ ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ قضاء کے ذریعہ مقدمات اور تنازعات کی تہ تک رسائی، معاملات کی کھوج اور چھان بین اور عدل و انصاف کے تقاضوں کی تکمیل کرتے ہوئے صحیح اور درست فیصلوں پر پہنچ کر انہیں نافذ کرتے میں بھی شرطہ بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔

اس سلسلہ میں پولیس کے فرائض کو مندرجہ ذیل چار حصوں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ انسداد جرائم: یعنی قبل از وقوع جرائم کی روک تھام۔ انسداد جرائم کیلئے بہترین ذریعہ پولیس کا گشت اور مشتبہ افراد کی مسلسل نگرانی ہے۔

۲۔ انکشاف جرائم: یعنی وقوع یافتہ جرم کا کھوج اور سراغ لگایا جائے اور جرم سے مجرم تک پہنچا جائے۔

۳۔ تفتیش جرائم: اس کا مقصد یہ ہے کہ جرم اور مجرم کے باہمی تعلق کی نسبت شہادت فراہم کی جائے۔

۴۔ پیروی مقدمات: مجرم کو قرار واقعی سزا دلانے سے ہی انسدادی مقصد حاصل ہو سکتا ہے یعنی مظلوم کی دادرسی، دوسروں کے لئے درس عبرت، سوسائٹی کی تسکین اور قانون کی متابعت وغیرہ

اس وضاحت کی رو سے اسلامی معاشرے میں نفاذ عدل کے سلسلہ میں پولیس کا کردار مندرجہ ذیل رُخ رکھتا ہے یعنی

۱۔ ابدی معاشرتی اقدار کے تحفظ، احکام شریعت کے بیباکانہ نفاذ اور حدود اللہ کے قیام میں انتظامیہ کے تمام شعبوں سے بڑھ کر سرگرمی دکھانا۔

۲۔ معاشرتی تنازعات اور مقدمات میں عدل و انصاف کے تقاضوں کی تکمیل کرنے اور حق و راستی پر مبنی عدالتی فیصلوں کے نفاذ میں عدلیہ کے تمام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اداروں کی بھرپور مدد کرنا۔

۳۔ معاشرہ میں فسادی اور شرپسند عناصر کا قلع قمع کرنے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ذریعہ اخلاقِ اجتماعی اور ریاستی فرائض کی حسن ادائیگی پر عوام کو آمادہ کرنے میں ادارۂ حسبہ کے پہلو بہ پہلو اپنے فرائض ادا کرنا۔

۴۔ معاشرہ کے تمام طبقات سے جملہ ریاستی قوانین کی پابندی کروانا اور ظلم و تشدّد کے رجحانات کی حوصلہ شکنی کرنا۔

۵۔ عدل و انصاف کے منافی سرگرمیوں میں ملوث اور جرائم پیشہ افراد کے خلاف ان کے حسب حال تنبیہ سے لیکر سزا تک کی فوری قانونی کاروائی کرنا۔

۶۔ عادی مجرموں اور سزا یافتہ لوگوں کی اصلاح اور انہیں پھر سے معاشرہ کے سود مند رکن بنانے میں متعلقہ اداروں کی ہر ممکن مدد کرنا۔

یہ تمام امور پولیس کے مقاصد و فرائض میں شامل ہیں اور سب کے سب معاشرے میں نفاذ عدل کے محور پر گھومتے ہیں۔

آج کا محکمہ پولیس

آج کا محکمۂ پولیس تنظیمی ہیئت و صلاحیت، فنی تربیت تجربہ اور مہارت میں خواہ کتنا ہی ترقی یافتہ کیوں نہ ہو، لیکن اپنے منصبی فرائض سے تغافل شعاری، اخلاقی زبوں حالی، اور دینی بے مائیگی کی منہ بولتی تصویر بن چکا ہے۔ دیانتداری، حق گوئی اور فرض شناسی میں محکمہ پولیس کی اس تشویشناک حالت کے نمایاں اسباب و مظاہر حسب ذیل ہیں:

۱۔ اصطلاحی اور معنوی اعتبار سے پولیس کے ہر رکن سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ اسے بنیادی انسانی اوصاف شائستگی، فرمانبرداری، وفاداری،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذہانت، فرض شناسی اور اہلیت کا پیکر اور مرقع ہونا چاہئے مگر اپنی پولیس کی کارکردگی اور رویّہ دیکھنے سے محسوس ہوتا ہے کہ ان بنیادی اوصاف کے یکسر برعکس اعمال کو مطمع نظر بنا لیا گیا ہے۔

۲۔ معاشرے میں نفاذ عدل اور قیام امن کے لئے اپنا کردار ادا کرنے میں پولیس کی ناکامی اور اخلاقی زبوں حالی کا سب سے بڑا سبب رشوت اور حرامخوری ہے جو اس وقت انتظامیہ کے ہر شعبے میں ایک ہزار پا کی طرح سرایت کئے ہوئے ہے۔ رشوت خوری نہ صرف پولیس کے شخصی اور ذاتی کردار پر منفی اثرات چھوڑتی ہے بلکہ لوگوں کے باہمی تنازعات کی طوالت، تندی اور شدت کا بھی بہت بڑا سبب بنتی ہے اور نتیجۃً ظلم و تشدد اور غنڈہ گردی کے رجحانات میں اضافہ ہوتا ہے۔ قرآن کریم نے یہ حقیقت واشگاف کی ہے کہ جھوٹ اور رشوت کے ساتھ دنیا میں حق و عدل کا کبھی بول بالا نہیں ہوا۔ پولیس افسران کی رشوت خوری کا سب سے بڑا سبب ان کے اختیارات، ضروریات اور تنخواہ و مراعات میں عدم توازن ہے۔

۳۔ ریاست معاشرہ میں عدل کے نفاذ، امن و امان کے قیام اور جرائم کے خاتمے کیلئے طریقۂ کار اور قوانین وضع کرتی ہے اور پولیس کا کام ان قوانین کو نافذ کرنا ہے مگر آج کی پولیس خود ہی ان قوانین پر عمل پیرا نہیں ہوتی تو معاشرہ میں کیونکر امن قائم کر سکتی ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ پولیس کی ناقص تربیت ہے۔ در اصل معاشرہ پولیس کی تربیت صحیح خطوط پر نہیں کرتا، انہیں ان کے فرائض منصبی سے صحیح طور پر آگاہ نہیں کرتا، خوف خدا، روز جزا کی پرسش کا تخیل اور تقوے کے تصوّرات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

د عقائد سے پولیس کی تعلیم و تربیت کا کورس بہت حد تک خالی ہے۔

۴۔ پھر یہ بھی کہ پولیس کے افسروں اور عام اہلکاروں کو نہ تو جرائم کی جدید سائنسی بنیادوں پر تفتیش کرنے کی کوئی خاص تربیت دی جاتی ہے اور نہ ہی انہیں ضروری وسائل مہیّا کیے جاتے ہیں اور یہی بات سلسلہ در سلسلہ خرابیوں کا باعث بن جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ پولیس کی داخلی ہیئت میں تنظیم، منصوبہ بندی، بہتر قیادت اور مسلسل نگرانی کا فقدان مسئلہ کو اور بھی گھمبیر بنا دیتا ہے۔

۵۔ مزید ستم یہ کہ مقدمات کے ابتدائی فیصلے پولیس کی زیر اثر عدالتوں میں ہوتے ہیں۔ مجسٹریٹ شہادتوں اور حقائق کی بجائے ملزم کے بارے میں پولیس کی رپورٹ پر زیادہ انحصار کرتے ہیں اور پولیس جرائم کے انسداد اور تفتیش کے سلسلہ میں اپنی کارکردگی کے نقائص پر پردہ ڈالنے کے لیے بے گناہ شہریوں پر خواہ مخواہ جبر و تشدد کے حربے آزماتی ہے اور اس طرح ایک عام شہری بھی پولیس کے چنگل میں پھنس کر عادی مجرم بن جاتا ہے یہ صورت حال معاشرہ کی زوال پذیری کی آئینہ دار ہے۔ ابن خلدون نے معاشرتی زوال کے تین اسباب گنوائے ہیں جن میں ایک سبب "تشدد الجنود المرتزقة" یعنی تنخواہ دار سپاہیوں کا ظلم و تشدد کی راہ پر پڑ جانا ہے۔

اصلاح حال کی تدابیر

معاشرہ میں عدل و انصاف کے فروغ، بدی و فساد کے عناصر کا قلع قمع کرنے اور نظم و نسق استوار رکھنے کے لیے ادارہ شرطہ کو جو بنیادی اہمیت حاصل ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور سوسائٹی کے تمام طبقات پر پولیس کے کردار اور کارروائیوں کے جو گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں ان کا تقاضا ہے کہ اس ادارہ کو اسلام کے عطا کردہ انتظامی سانچے میں ڈھالا جائے اور تمام خرابیوں کا ازالہ کر کے ایک صالح محکمہ بنا دیا جائے۔ اس سلسلہ میں حسب ذیل تجاویز کو عملی جامہ پہنانا ضروری ہے۔

۱۔ سب سے پہلا مسئلہ افراد کے انتخاب کا ہے اس ضمن میں حضرت علیؓ کا یہ ارشاد مشعلِ راہ ہے۔

"عدل وانصاف قائم کرنے کے لیے ایسے لوگ منتخب کیے جائیں جو نہ تنگ نظر و تنگ دل ہوں اور نہ حریص خوشامد پسند۔ عمال حکومت کا تقرر بھی پوری جانچ پڑتال کے بعد کیا جائے"

چنانچہ ضروری ہے کہ ادارۂ شرطہ میں ان لوگوں کو رکھا جائے جو خوف خدا اور تقوے سے متصف، بلند کردار، خوش گفتار، با اصول ہوں اور حق و صداقت کے معاملے میں بے لاگ اور اٹل فیصلے کرنے کی قوت سے بہرہ ور اور ان کے نفاذ کی پوری قوت وطاقت رکھتے ہوں۔ معاملہ فہمی، سراغرسانی اور ذہانت میں منفرد ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ افسران کے لیے تعلیم یافتہ ہونا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ آئندہ اے۔ ایس۔ آئی کے لیے تعلیمی معیار کم ازکم گریجوایٹ اور سپاہی کے لیے انٹرمیڈیٹ کر دیا جائے۔

۲۔ انتخاب کے بعد اگلا مرحلہ تعلیم و تربیت کا آتا ہے۔ اس سلسلہ میں حسب ذیل امور پیش نظر رہیں۔

ا۔ پولیس کا نصاب تعلیم اسلامی تہذیبی ورثہ کی بنیاد پر از سرِ نو مرتب کیا جائے جس میں انسداد و تفتیش جرائم کے اسالیب وطُرق سے لے کر نفاذ تک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے تمام ضوابط و قوانین کو اسلامی رنگ میں رنگا جائے کیونکہ اسلام میں عدل و انصاف قائم کرنے اور مجرموں کو سزا دینے کے لیے بڑا محتاط طریق کار اختیار کیا گیا ہے جس سے اغماض برت کر عدل و انصاف کے تقاضوں کی کبھی تکمیل نہیں ہو سکتی۔

(ز) ۔ فوجی افسران کی تعلیم و تربیت کیلئے ایک پولیس اکیڈمی قائم کی جائے اور ان کے تربیتی کورس میں دینی اقدار خصوصاً اسلامی اخلاقیات کو لازمی نصاب کے طور پر شامل کیا جائے تاکہ ان میں اچھائی اور برائی میں تمیز کرنے کا ملکہ پیدا ہو اور ساتھ ہی ان کی کردار سازی کے لیے عملی اقدامات کیے جائیں۔

۳ ۔ تربیت کے بعد اگلا مرحلہ ہے "تنظیم" کا اس ضمن میں مندرجہ ذیل امور کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

ا ۔ کسی ادارہ کی تنظیم کا بنیادی اصول یہ ہوا کرتا ہے کہ ہر خدمت ایسے شخص کے سپرد کی جائے جو اس کا اہل ہو اور محکمہ میں اوپر سے نیچے تک ہر شخص اپنی حیثیت اور فرض سے واقف ہو تاکہ ہر فرد کی اہلیت و استعداد سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جائے کیونکہ یہ تخصیص ———— (spec[illegible]) کا دور ہے۔ شرطہ کی تنظیم میں اس اصول پر عمل کی اہمیت یوں بھی بڑھ جاتی ہے کہ آج ایک طرف تمدنی ترقی اور علم الجرائم کی وسعت نے ارتکاب جرم کے ہزاروں نئے طریقے ایجاد کر دیئے ہیں جن سب کا تدارک اور توڑ ضروری ہے تو دوسری طرف پولیس کے فرائض کا دائرہ بے پناہ وسیع ہو گیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے جس سے اس ادارہ کے ہر رکن کی مصروفیات بہت بڑھ گئی ہیں۔ پھر امن وامان کے مختلف مسائل کا حل مختلف فنی اور تکنیکی مہارتیں چاہتا ہے۔ ایسے میں یہ ضروری ہے کہ اپنے اجتماعی اور سیاسی تقاضوں کی روشنی میں اور سیاست کی مجموعی انتظامی ہیئت سے مطابقت اور فرائض و اختیارات میں توازن کے اصولوں پر ادارۂ شرطہ کی از سر نو تنظیم کی جائے جو تمدنی ارتقاء کے ساتھ ساتھ خوب سے خوب تر ہوتی چلی جائے گی۔

ii - پولیس کو دو زمروں میں تقسیم کر دیا جائے۔

ا - رپورٹنگ اسٹیشن علیحدہ ہوں اور

ب - تفتیش کی ایجنسی علیحدہ ہو۔

۴ - پولیس کی اصلاح کے مروجہ قوانین اور طریقہ کار میں بھی دوررس تبدیلیوں کی ضرورت ہے اس سلسلہ میں حسب ذیل ترامیم تجویز کی جاتی ہیں۔

i - قانون کے دوہرے معیارات ختم کیے جائیں۔ شخصی اور طبقاتی تحفظ کے لیے بنائے گئے تمام قوانین ختم کر دیئے جائیں۔

ii - قوانین کی وضاحتیں عام آدمی کے علم میں لائی جائیں تاکہ پولیس من گھڑت ضوابط کے مطابق غیر قانونی کاروائی نہ کر سکے۔

iii - پولیس قوانین اور طریقہ کار کی نئی تدوین کی جائے جس میں اسلامی تصور عدل پر مبنی دفعات شامل کی جائیں۔

iv - جرأت اور بے لوثی کے ساتھ اپنے فرائض ادا کرنے والے پولیس اہلکاروں کے تحفظ کے لیے پولیس آفیسر پروٹیکشن ایکٹ بنایا جائے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور خلاف قانون حرکات کے مرتکب اور اختیارات سے تجاوز کرنے والے اہلکاروں کو سخت سزائیں دی جائیں۔

۵۔ رشوت اور حرام خوری کے انسداد کے لیے جہاں پولیس کی اخلاقی تربیت اور تعمیر سیرت ضروری ہے وہیں یہ بھی لازمی ہے کہ ان کی تنخواہوں اور مراعات میں خاطر خواہ اضافہ کیا جائے تاکہ وہ گرانی کے اس عالم میں اپنی ضرورت جائز کمائی سے پوری کر سکیں۔

یہ تو تھیں ادارۂ شرطہ کی اصلاح کے لیے چند تجاویز۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام اور شارع اسلام علیہ السلام کی منشاء کے مطابق نہ صرف پولیس بلکہ پوری انتظامیہ کی اصلاح موجودہ عمارت کا رنگ و روغن بدلنے سے نہ ہو گی بلکہ اسلامی بنیادوں پر نئی عمارت تعمیر کرنا پڑے گی۔

حسبہ

حسبہ کے قریباً تمام پہلوؤں پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور مسلسل لکھا جا رہا ہے، اس لیے ان سب باتوں کو دہرانا لاحاصل ہے، میں یہاں صرف اپنے موضوع سے متعلق چند بنیادی نکات پیش کرنے پر اکتفا کروں گا۔

حسبہ — مفہوم و اہمیت

حسبہ کے دو مفہوم ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہر مسلمان امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے۔ دوسرا مفہوم اس شخص کے فرائض سے متعلق ہے جو کسی شہر میں عوام کے اخلاق کی نگرانی کے لیے سرکاری طور پر مقرر کیا جاتا ہے۔ ہمارے پیش نظر یہی دوسرا مفہوم ہے۔ اس مفہوم میں حسبہ کی اصطلاحی تعریفیں بہت سے فقہاء اور ماہرین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے مختلف انداز سے کی ہیں۔ لیکن ان سب میں بنیادی ارتکاز "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کے تصور پر رہا ہے۔ یہاں حسبہ کی ایسی دو تعریفیں پیش کی جاتی ہیں جن سے نفاذ عدل میں اس ادارہ کے کردار کی وضاحت ہوتی ہے۔ معروف فقیہ ابن الاخوۃ نے حسبہ کی تعریف یہ کی ہے" ھو امر بالمعروف اذا ظھر ترکہ ونھی عن المنکر اذا ظھر فعلہ واصلاح بین الناس[۲۳]" اس تعریف کے آخری الفاظ بالخصوص ادارہ حسبہ کی عدالتی حیثیت بخوبی متعین کر دیتے ہیں۔ ایک جدید مصنف استاذ محمد المبارک نے حسبہ کی یہ جامع تعریف پیش کی ہے۔" ھی رقابۃ ادآریۃ تقوم بہ الدولۃ عن طریق موظفین خاصین علی نشاط الأفراد فی مجال الاخلاق والدین و الاقتصاد أی فی المجال الاجتماعی بوجہ عام، تحقیقا للعدل والفضیلۃ وفقا للمبادیٔ المقررۃ فی الشرع الاسلامی و للأعراف المالوفۃ فی کل بیئۃ وزمن[۲۴]۔ یعنی حسبہ ایک ایسا نگران ادارہ ہے جسے حکومت خاص کارندوں کے ذریعہ چلاتی ہے اس کا مقصد اخلاق، مذہب اور معاشیات کے دائرہ میں افراد کی سرگرمیوں کی نگرانی ہے تاکہ انصاف اور اعلیٰ اقدار کو عملاً بروئے کار لایا جاسکے اور اس اہم کام کو احکام شریعت اور مختلف زمانوں اور علاقوں کے پسندیدہ رواجوں کی روشنی میں سرانجام دیا جاسکے۔

اسلام میں حسبہ کو اساسی اہمیت حاصل ہے کیونکہ اس کا مرکزی نقطہ یعنی "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" دین کی حقیقی روح اور اصل الاصول ہے۔ مشہور فقیہ ابن الاخوۃ کہتا ہے۔" الحسبۃ من قواعد الامور الدینیۃ، وقد کان أئمۃ الصدر الاول یباشرونھا بانفسھم لعموم صلاحھا وجزیل ثوابھا"[۲۵]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابن خلدون مقدمہ میں حسبہ کی اہمیت یوں بیان کرتا ہے۔ اما الحسبة فهی وظیفة دینیة من باب الامر بالمعروف والنهی عن المنکر الذی هو فرض علی القائم بامور المسلمین أن یعین لذلک من یراه اهلا له۔

ادارہ حسبہ کی اہمیت اسلامی ریاست کے آغاز ہی میں محسوس کر لی گئی تھی جب تک ریاست مدینہ کی حد تک محدود رہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس اس اہم کام کو انجام دیا کرتے تھے آپؐ وقتاً فوقتاً بازار کا چکر لگایا کرتے اور کوئی غلط کام دیکھتے تو فوراً اصلاح فرما دیتے تھے۔ جب اسلامی ریاست مدینہ سے باہر بھی پھیل گئی تو مدینہ منورہ میں حضرت فاروق اعظمؓ اور مکہ مکرمہ میں سعید بن العاصؓ کو محتسب مقرر کیا گیا۔ عہدِ صدیقیؓ میں بھی حسبہ کا ادارہ نبوی منہاج پر کام کرتا رہا۔ فاروق اعظمؓ نے اس ادارہ کو بہت ترقی دی اور جا بجا مستقل محتسبین مقرر فرمائے عہد فاروقیؓ میں حسبہ کی سرگرمیاں کا جائزہ ایک مستقل کتاب کا متقاضی ہے بہر حال خلافت راشدہ کے بعد بھی ہر دور میں حسبہ کا منظم ادارہ کام کرتا رہا ہے اور ہر دور میں اس کا بنیادی مقصد لوگوں کی اخلاقی اصلاح اور معاشرہ میں عدل وانصاف کے نفاذ میں دیگر عدالتی اداروں کی مدد رہا ہے۔

حسبہ — فرائض واختیارات

ادارہ حسبہ کے فرائض کی چار قسمیں ہیں۔

۱۔ دینی واخلاقی فرائض:

أ۔ اسلامی معاشرہ میں باطل عقائد کی کھلم کھلا تبلیغ، کتاب وسنّت کی نصوص میں تحریفِ لفظی ومعنوی، اسلامی مقدسات وشعائر کی توہین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اللہ تعالےٰ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ، اہلبیت اطہارؓ کی شان میں توہین وتنقیص کو روکنا۔

ii۔ عبادات اور مذہبی فرائض کی ادائیگی کی دیکھ بھال کرنا، اس سلسلہ میں نماز باجماعت، جمعہ اور نماز عید کا اہتمام، مساجد واوقاف کی خبرگیری اور ائمہ ومؤذنین کا تقرر وغیرہ۔

iii۔ عبادات سے متعلق شرعی ضوابط وآداب اور رمضان کے احترام کی پامالی پر احتساب۔

iv۔ نااہل افراد سے دینی مناصب مثلاً درس وتدریس اور افتاء وغیرہ کو بچانا۔

v۔ منشیات کے استعمال، لہوولعب میں مشغولیت اور حرام پیشوں (کہانت وغیرہ) کے اختیار کرنے پر احتساب۔

vi۔ اسلامی آداب واخلاق کی نگرانی مثلاً مردوں وعورتوں کا آزادانہ، اختلاط،

۲۔ معاشرتی وتمدنی فرائض

محتسب کا بنیادی فریضہ معاشرتی زندگی کی اصلاح ہے اس سلسلہ میں اس کے دائرہ اختیار میں حسبِ ذیل امور آتے ہیں۔

i۔ مکانات اور دوکانوں کی تعمیر اور مرمت اس ڈھنگ سے ہو کہ وہ عوام کی سلامتی کے لیے خطرہ اور پیادہ چلنے والوں اور گاڑیوں کے لیے رکاوٹ نہ بن جائیں۔

ii گلیوں کی صفائی، شہر پناہ کی باقاعدہ تقسیم اور رسد رسانی بھی محتسب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے فرائض میں شامل ہے۔

iii۔ عوام کے لیے ضرر و مشقت کا باعث بننے والا ہر اقدام محتسب کے دائرہ اختیار میں آتا ہے۔

iv۔ اجتماعی مفاد کی کوئی چیز منہدم ہو جائے تو اس کی مرمت کے لیے علاقے کے لوگوں کو آمادہ کرنا۔

v۔ غیر شادی شدہ لڑکیاں اگر یہ شکایت کریں کہ ان کے ولی کسی وجہ سے ان کی شادی نہیں کر رہے تو محتسب مداخلت کر سکتا ہے۔

vi۔ کوئی آقا کسی ملازم یا مزدور پر سختی کر رہا ہو تو محتسب مداخلت کر سکتا ہے۔

vii۔ بار برداری کے جانوروں پہ طاقت سے بڑھ کر بوجھ لادنا ضرورت سے کم چارہ دینا یا ان پر تشدد کرنا اور کرایہ کی سواریوں میں زیادہ مسافر بٹھانا۔

viii۔ جاہل آدمی کا طبابت یا اسی طرح کا اور کوئی اہم اجتماعی پیشہ اختیار کر لینا۔

ix۔ پیشوں کے سلسلہ میں جگہ کی موزونیت، افراد کی اہلیت، آلات و ادوات کی صحت و درستگی اور ملاوٹ و فریب وغیرہ کی پڑتال کرنا۔

۳۔ اقتصادی فرائض

محتسب کے اقتصادی فرائض کا محور ہے عوام کے اقتصادی استحصال کا خاتمہ اور معاشی عدل کا قیام

اس سلسلہ میں اس کے حیطۂ اختیار میں حسب ذیل امور آتے ہیں۔

i۔ حسبہ کا بنیادی اور مستقل فرض بازار اور منڈیوں کی جانچ پڑتال کرنا ہے۔ اس میں اوزان اور پیمانوں کی دیکھ بھال، اشیائے صرف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی تیاری اور فروخت کے دوران ظہور پذیر ہونے والی ہر ممکنہ کوتاہی، بد دیانتی اور بدعنوانی پر کڑی نظر رکھنا۔

ii - سکوں کی پرکھ بھی محتسب کے فرائض میں داخل ہے۔

iii - قیمتوں پر کنٹرول اور منظور شدہ نرخوں سے زیادہ دام لینے والے تاجروں کا احتساب۔

iv - قحط کے زمانے میں ذخیرہ اندوزوں کا شدید احتساب۔

v - ناپ تول میں کمی، ملاوٹ اور دھوکہ دھی کے معاملات اور حرام سودی کاروبار کا استیصال، رشوت اور باطل امور کی بیخ کنی نادہندوں سے قرض خواہوں کو پیسہ دلوانا۔

۴ - قانونی فرائض

ادارہ حسبہ پر تمام فقہاء اور ماہرین نے ایک عدالتی یا نیم عدالتی ادارہ ہی کی حیثیت سے بحث کی ہے۔ امام ماوردی کہتے ہیں کہ حسبہ کا ادارہ اپنے فرائض اور اختیارات کی حیثیت سے قضا اور ولایۃ المظالم کے درمیان ایک بین بین حیثیت رکھتا ہے۔ حسبہ کی عدالتی حیثیت مندرجہ ذیل قانونی فرائض و اختیارات پر مشتمل ہے۔

i - ذمیوں کے قانون کا نفاذ۔

ii - معاشی اور کاروباری زندگی میں دھوکہ و فریب اور بدعنوانیوں سے متعلق مقدمات کا فیصلہ۔

iii - اپنے دائرہ اختیار میں آنے والے معاملات سے متعلق پیش آمدہ نئی اور پیچیدہ صورتوں کے حل کے لیے اجتہاد سے کام لیتے ہوئے قانون کی جدید تعبیر یا نئے فروعی احکام کا استنباط۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۷- غلط فیصلے کرنے والے قاضیوں اور حاکموں پر نکتہ چینی (بعض جرأتمند محتسبین نے ایسا کیا۔)

نفاذ عدل میں حسبہ کا کردار اس میں شک نہیں کہ حسبہ کا بنیادی مقصد افراد کی شخصی اور معاشرہ کے اجتماعی معاملات میں عدل اسلامی کا قیام ہے اور اس کے تمام فرائض و اختیارات اسی محور کے گرد گھومتے ہیں۔ ذیل میں اس حقیقت کی مختصر وضاحت کی جاتی ہے۔

۱- حسبہ کا عطر و جوہر "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" ہے اور اس کا بنیادی مقصد افراد کی تعمیر سیرت، اور تہذیب نفس کے ذریعہ انہیں اپنی نجی زندگی سے لے کر اجتماعی معاملات تک میں عدل و انصاف کے تقاضوں کی تکمیل کے لیے تیار کرنا ہے۔ کیونکہ اسلام انفرادی و اجتماعی زندگی کی ہر سطح پر افراط و تفریط سے پاک متوازن اور معتدل روش کا تقاضا کرتا ہے اور حسبہ کے مذہبی اخلاقی اور بہت سے تمدنی و اقتصادی فرائض کا مقصد لوگوں کو یہی معتدل روش اپنانے پر آمادہ کرنا ہے۔

۲- ادارہ حسبہ کے بہت سے تمدنی اور اجتماعی فرائض کا محور یہی ہے کہ اجتماعی مفادات و مصالح کے خلاف یا عوام کو ضرر پہنچانے والا کوئی اقدام نہ ہونے دیا جائے اور یہی "عدل اجتماعی" کا تقاضا ہے۔

۳- ادارہ حسبہ کے جملہ اقتصادی اور معاشی فرائض کا تو اساسی نقطہ ہی یہ ہے کہ ظلم و زیادتی اور استحصال کا خاتمہ ہو اور عدل و انصاف کو فروغ ملے چنانچہ بازاروں اور منڈیوں کی جانچ پڑتال، قیمتوں پر کنٹرول، فریب و بددیانتی اور ذخیرہ اندوزی کا احتساب، سودی کاروبار رشوت اور دیگر ناحق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مال لوٹنے کے ہر طرح کے ذرائع پر پابندی اور حق داروں کے حقوق کی بازیافت وغیرہ جملہ اقتصادی فرائض کا جوہر اسی عدل معاشی کا نفاذ ہے۔

۴۔ حسبہ کے جملہ قانونی اور عدالتی اختیارات و فرائض مثلاً مختلف طبقات کے حقوق کا تحفظ اور نفاذ عدل کے اداروں (شرطہ، قضاء، افتاء وغیرہ) کی نگہداشت وغیرہ بھی اسی تصور کے حامل ہیں کہ معاشرہ میں ہر سطح پر اور ہر ممکن ذریعہ سے عدل و انصاف کو فروغ و استحکام دیا جائے اور ظلم و استحصال کے تمام رجحانات اور محرکات کو مٹا کر رکھ دیا جائے۔

یوں حسبہ اول و آخر اسلامی معاشرہ میں نفاذ عدل کا ایک اہم ترین ادارہ ہے جس کے بغیر بلاشبہ معاشرے میں ہر سطح پر عدل و انصاف کا قیام ممکن نہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ آج ہم اپنے ادارۂ احتساب کو اسلامی ادارہ حسبہ کی روایات سے ہم آہنگ کریں تاکہ معاشرہ میں قیام عدل کی راہ ہموار کر سکیں۔

دیوان المظالم

جدید قانون میں انصاف کی دو قسمیں ہیں، قدرتی انصاف اور موضوعہ انصاف۔ موضوعہ انصاف وہ ہے جس کا مأخذ انسانی ذہن کا زائیدہ قانون ہو جبکہ قدرتی سے مراد حقیقی اور مثالی انصاف ہے جس سے بہتر تصور میں نہ آسکے۔ مغرب میں انسان کا بنایا ہوا قانون حقیقی انصاف کے قیام میں بالکل ناکام ہو گیا تو اس قانون کی خامیوں اور ناانصافیوں کے ازالے کے لئے انصاف کے اٹل اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قدرتی اصولوں پر مبنی نظام معدلت جسے نصفت (EQUITY) کا نام دیا گیا نافذ کیا گیا جس پر چانسلری کی عدالتیں Courts of Chancellers عمل کرتی ہیں۔ نصفت کا تصور یونانیوں اور قدیم رومیوں کے ہاں بھی پایا جاتا ہے۔ ارسطو نصفت کی تعریف میں کہتا ہے کہ "اس کے ذریعہ ملکی قانون میں جہاں کہیں اس کی عمومیت کی وجہ سے نقص ہو، اصلاح کی جاتی ہے۔ ایک اور جگہ لکھتا ہے کہ ثالث نصفت کے مطابق اور جج پابندیٔ قانون فیصلہ کرتا ہے۔ ابتداءً نصفت کوئی قانون نہ تھا بلکہ قدرتی انصاف کے غیر مدون احکام و اصول تھے لیکن رفتہ رفتہ ان اصولوں کا ایک مجموعہ تیار ہو گیا جو قانون موضوعہ ہی کی طرح غیر متبدل قرار پایا۔ یوں مغرب اور بالخصوص انگلستان میں ۱۸۷۲ء تک دو متضاد قانونی اور عدالتی نظامات پر عمل ہوتا رہا۔

اسلام میں چونکہ قانون خالق کائنات کا بنایا ہوا ہے اس لیے اس میں انسانی قانون کے نقائص کا شائبہ تک بھی ممکن نہیں اور اس الوہی قانون کا ہر ہر جزو عدل و انصاف کی تکمیل کرتا ہے اِس لیے اسلامی تاریخ میں ہمیں مغربی طرز کا دوہرا نظام معدلت تو نظر نہیں آتا البتہ ادارۂ قضا کے پہلو بہ پہلو ایک اور عدالتی نظام "دیوان المظالم" کے نام سے کام کرتا رہا ہے جسے عدالت اپیل اور کسی حد تک انتظامی عدالت ٹھہرا سکتے ہیں لیکن فرانس کی انتظامی عدالتوں کے مقابلے میں ولایۃ المظالم کا دائرہ عمل وسیع، اختیارات زیادہ اور فرائض بھی کثیر تھے۔ پھر اس کی حیثیت اور قوت بھی زیادہ تھی ذیل میں ہم ولایۃ المظالم پر ایک عدل نافذ کرنے والے ادارے کی حیثیت سے اجمالی روشنی ڈالتے ہیں۔

ولایۃ المظالم — تصوّر اور اختیارات

ولایۃ المظالم کا تصور ماوردی کی اس تعریف سے واضح ہوتا ہے کہ ھو قود المتظالمین الی التناصف بالرھبۃ و زجر المتنازعین عن التجاحد بالھیبۃ۔[۲۶]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یعنی ولایت مظالم سے مراد یہ ہے کہ آپس میں تعدی اور ظلم کرنے والے ہر دو فریق کو جبراً عدالت میں پیش کر کے انصاف کرایا جائے اور اگر انکار کریں تو ڈرا دھمکا کر کام کیا جائے۔ یوں اس منصب کے قیام کی اساسی غرض جبر و استبداد کا استیصال تھا اس کا ارتکاب خواہ ارباب اقتدار اور عمال حکومت کریں خواہ قاضی اور اس کے ماتحت ادارے، اور چاہے عام افرادِ رعایا، ولایۃ المظالم کا دائرہ اختیار سبھی کو محیط تھا۔ ادارہ مظالم کی خصوصیات اور امتیازات کی وضاحت کے لیے قضاء اور حسبہ کے دونوں اداروں سے اس کا مختصر موازنہ پیش کیا جاتا ہے۔

ولایۃ المظالم اور ادارۂ قضاء

ادارۂ قضاء اور ولایۃ المظالم میں دس امور مابہ الامتیاز ہیں جو امام قرافی نے "الذخیرہ" اور امام ماوردی نے "الاحکام السلطانیہ" میں بیان کئے ہیں:

۱۔ اپنے فرائض کی ادائیگی کے لیے ناظر مظالم کا باہیبت، قوی اور دبدبہ والا ہونا لازمی ہے لیکن قاضی کا ایسا ہونا ضروری نہیں۔

۲۔ ولایۃ المظالم کا دائرہ اختیار امور واجبہ سے گزر کر امور جائزہ کو بھی محیط ہے لہٰذا وہ قول وعمل دونوں کے اعتبار سے وسیع الاختیارات ہوگا۔

۳۔ ناظر مظالم قرائن اور شواہد حالیہ سے کام لے کر تفتیشِ واقعات اور حق و باطل میں امتیاز کر سکتا ہے بخلاف قاضی کے۔

۴۔ جس شخص کی فطرت میں ظالمانہ اور باغیانہ جذبات موجود ہوں اس کی تادیب و اصلاح والایۃ المظالم کے اختیار میں ہے۔

۵۔ کسی مقدمہ کی نوعیت کے پیش نظر ناظر مظالم تصفیہ میں تاخیر کر سکتا ہے لیکن قاضی کسی فریق کے مطالبہ کے بغیر اس کا مجاز نہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۶۔ ناظر مظالم مناسب سمجھے تو فریقین کو مصالحت پر مجبور کر سکتا ہے لیکن قاضی فریقین کی رضامندی کے بغیر ایسا نہیں کر سکتا۔

۷۔ اگر فریقین انصاف و اعتراف حقوق پر آمادہ نہ ہوں تو ناظر مظالم انہیں پولیس کی حراست میں دے سکتا ہے۔ تاکہ پولیس انہیں رد حقوق اور ایک دوسرے کی تکذیب سے باز آنے پر آمادہ کر سکے۔

۸۔ مجہول الحال اور قضاء کے نزدیک ناقابل شہادت افراد کی شہادت والئ مظالم سن سکتا ہے۔

۹۔ گواہوں کے بیان مشکوک و مشتبہ معلوم ہوں تو ناظر مظالم ان سے حلف لے سکتا ہے نیز ازالہ شک کے لیے شاہدوں کی تعداد بھی بڑھا سکتا ہے، مگر قاضی اس کا مجاز نہیں۔

۱۰۔ ناظر مظالم فریقین کے نزاع کی کیفیت معلوم کرنے کے لیے ابتدائً شاہدوں کے بیانات سن سکتا ہے۔ لیکن قاضی مدعی سے گواہ طلب کرتا ہے اور اس کے کہنے پر گواہوں کے بیانات سنتا ہے۔

ولایتہ المظالم اور حسبہ ولایتہ المظالم اور حسبہ میں دو پہلوؤں سے مشابہت اور دو پہلوؤں سے فرق پایا جاتا ہے مشابہت قوت واقتدار کے رعب و ہیبت کے مظاہرہ اور کھلم کھلا ظلم وعدوان کے معاملات کی سماعت میں ہے۔ فرق مندرجہ ذیل دو پہلوؤں میں سے ہے۔

۱۔ ادارۂ مظالم ان امور و مقدمات کی سماعت کرتا ہے جن کی انجام دہی سے قاضی عاجز و کمزور ہو جبکہ ادارۂ حسبہ ان معاملات سے تعلق رکھتا ہے جو بہت چھوٹے چھوٹے ہوں اور قاضی کی عدالت میں ان کا پیش کرنا مناسب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ والی مظالم کا درجہ قاضی سے برتر ہے جبکہ حسبہ کی حیثیت قاضی سے فروتر اور اس کے تابع و معاون کی ہے۔

۲۔ ادارۂ مظالم کے سربراہ کو مقدمات کی سماعت اور فیصلے دینے کا پورا اختیار حاصل ہے جبکہ محتسب کو ایسا کوئی اختیار حاصل نہیں۔ مزید برآں دیوان المظالم ایک برتر ادارہ ہونے کی حیثیت سے قاضی اور محتسب دونوں کا نگران ہے۔

دیوان المظالم — فرائض و اختیارات

ولایۃ المظالم کے حیطۂ اختیار میں حسب ذیل امور و معاملات آتے ہیں جنہیں نپٹانا اس ادارہ کا فرض ہے۔[۲۷]

۱۔ رعایا پر حکام کے ظلم و ستم اور تشدد آمیز رویہ کی تحقیق اور مظالم کا ازالہ اور ظالموں کی گرفت۔

۲۔ گورنروں اور تحصیلداروں کا محاصل کی وصولی میں زیادتی اور بے اعتدالی پر بازپرس بھی عدالت مظالم سے متعلق ہے۔

۳۔ بیت المال کے افسروں اور منشیوں کی کارروائیوں کی نگرانی کرنا۔

۴۔ تنخواہیں تقسیم کرنے والے اہلکاروں کی زیادتیوں کا ازالہ۔

۵۔ اموال مغصوبہ کی واپسی۔ خواہ غاصب سلطان، اس کے امراء اور سرکاری اہلکار ہوں، خواہ عام جابر و ظالم رؤسا اور شر پسند افراد، سب کی گرفت اور اموال کی واپسی ولایۃ المظالم کا کام ہے۔

۶۔ عام اور خاص اوقاف کی نگرانی اور انتظام، اس سلسلہ میں قاضی کے اختیار سے باہر تمام معاملات کو ناظر مظالم ہی نپٹاتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۷۔ ادارۂ قضاء کے اُن احکام و فیصلوں کی تنفیذ جن کو قاضی اپنی کمزوری اور بے بسی یا محکوم علیہ کی قوت اور اختیار و اقتدار کے باعث نافذ کرنے سے قاصر ہو۔

۸۔ ادارۂ حسبہ اگر اپنے متعلقہ فرائض کی انجام دہی سے عاجز ہو تو اس کی اعانت کرنا۔

۹۔ عبادات ظاہری جیسے جمعہ، عیدین، حج و جہاد وغیرہ اور تمام حقوق اللہ کی بجا آوری کی تلقین اور کسی قسم کی کوتاہی کرنے والوں کی سرزنش۔

۱۰۔ لڑائی جھگڑوں اور فوجداری مقدمات کا تصفیہ۔ اس سلسلہ میں ناظر مظالم کا فرض ہے کہ وہ مقدمہ کی نوعیت، قرائن و شواہد اور اسباب و موجبات نزاع میں گہرے غور و خوض کے بعد درست فیصلے پر پہنچنے کی کوشش کرے کہ اس سلسلہ میں اس کے پاس قاضی سے زیادہ اختیارات ہیں۔

خلاصہ یہ کہ ولایۃ المظالم کا مقصد اور بنیادی فرض ہے قانون کی حکمرانی قائم کرنا، عدل و انصاف نافذ کرنا اور ظلم و جبر کا استیصال کرنا اور اس سلسلہ میں اس کے دائرہ اختیار میں تمام انتظامی امور، خصوصی معاملات اور عبادات سے متعلق امور شامل ہیں۔ اس کی حیثیت "عدالت اپیل" کی بھی ہے، "عدالت عام" کی بھی اور "اعلیٰ ترین انتظامی عدالت" کی بھی اور یہ تنفیذیہ، عدلیہ اور رسنٹے اور عرف و ضرورت پر مبنی مسائل کی حد تک تشریعیہ کے اختیارات کی جامع ہے، اس لیے اسلام کے عدالتی نظام اور معاشرہ میں نفاذِ عدل کے اداروں میں اسے بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ولایتہ المظالم عہد بہ عہد

حقیقت یہ ہے کہ انسانی تاریخ میں جتنی قدیم ظلم و ستم کی روش ہے اتنا ہی "استیصال ظلم" کے ادارہ کا تصور بھی قدیم ہے کیونکہ جب سے ظلم نے جنم لیا فطرت انسانی نے اس کے ازالہ و استیصال کے اقدامات بھی تجویز کرنے شروع کر دیئے گو اس کی ہیئت و کیفیت ہر دور میں مختلف رہی اور سوسائٹی کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ بالآخر ایک منظم ادارہ کی ضرورت محسوس ہونے لگی اور یوں مختلف اقوام نے مختلف ادارے تشکیل دیئے۔ چنانچہ شاہانِ فارس استیصال ظلم کو جہانبانی کے لازمی اصولوں میں سے شمار کرتے اور صرف قوانین ملکی کو اس کے لیے ناکافی قرار دیتے، اُدھر جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہیں یونانی اور رومی مفکرین اور ماہرین قانون کے ہاں عام قانونی عدالتوں کے علاوہ اصول نصفت (EQUITY) پر مبنی نظام معدلت کی ضرورت و اہمیت کا احساس موجود تھا۔ یہی نصفت پر مبنی نظام معدلت قرون متوسطہ سے مختلف مغربی ممالک میں رائج ہو گیا تھا۔ اور تو اور خود عرب کے عہد جاہلیت میں بھی مظالم کی روک تھام کے لیے "حلف الفضول" ایسے ایک سے زائد معاہدوں کا وجود ایک اٹل حقیقت ہے جس سے استیصال مظالم کے ادارہ کی اہمیت بخوبی واضح ہو جاتی ہے۔

اسلام میں ابتداء ہی سے سربراہ ریاست "ولایتہ المظالم" کے فرائض کی انجام دہی کا پابند نظر آتا ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مبارک، صدیق اکبرؓ کا اولین خطبہ اور فاروق اعظمؓ و عثمان غنیؓ کے ارشادات اور عملی سرگرمیاں کسی سے مخفی نہیں۔ لیکن اس عہدِ مبارک میں باقاعدہ منظم ادارہ مظالم کے قیام کی ضرورت اس لیے محسوس نہ ہوئی کہ لوگوں میں تدین اور انصاف پسندی کا غلبہ تھا وہ وعظ و نصیحت سن کر، خدا کے سامنے جوابدہی کے احساس سے سرشار ہو کر مظالم سے باز رہتے تھے معمولی تنازعات کے فیصلے قاضی کر دیا کرتا تھا۔ البتہ حضرت علیؓ کے عہد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خلافت میں جب لوگوں کا اختلاف بڑھ گیا اور بے انصافیاں عام ہونے لگیں تو آپ نے ولایۃ المظالم کے فرائض خود انجام دینا شروع کر دیئے اگرچہ زیادہ ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے آپ نے اس کے لیے کوئی مستقل دن یا وقت مقرر نہیں فرمایا تھا بلکہ شب و روز میں جس وقت بھی کوئی مظلوم داد خواہ ہوتا، اسی وقت انصاف فرمادیتے تھے۔ اموی فرمانروا عبدالملک بن مروان نے سب سے پہلے جور و تعدّی کے واقعات کی تفتیش اور فیصلہ کے لیے ایک دن مقرر کیا۔ عبدالملک نے اپنی امداد کے لیے قاضی ابوادریس آزدی کو اپنا شریک کار بنا لیا تھا۔ اس کے بعد حکام اور رؤسا خود ستم شعاری کرنے لگے مگر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے تمام امراء کی ناانصافیوں کی تلافی کی اور اس سلسلہ میں انتہائی سخت احتساب کا رویہ اپنایا۔ اکثر خلفائے عباسیہ بھی اس کا اہتمام کرتے رہے چنانچہ المہدی، ہارون، مامون اور مہتدی وغیرہ دادرسی کے لیے باقاعدہ اجلاس کیا کرتے۔ خلیفہ المقتدر کی والدہ عدالت مظالم کی خود صدر تھیں اور اپیلوں کی سماعت کرتی تھیں۔ دیوان المظالم ہمیشہ خلیفہ یا خود مختار گورنروں کے ماتحت رہا ہے جس سے اس ادارہ میں خلفاء کی گہری دلچسپی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

ولایۃ المظالم ــــ عصر حاضر میں ماضی میں جو معاملات ولایۃ المظالم کے سپرد تھے ان میں سے بہت سے اب مختلف اداروں کے سپرد کر دیئے گئے ہیں۔ لیکن مظالم کی روک تھام اور جور و تعدّی کے استیصال میں مطلق کامیابی نہیں ہو پا رہی بلکہ عوامی اور سرکاری (انتظامی و عدالتی) ہر دو سطح پر مظالم روز بروز بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ ایسے میں ولایۃ المظالم کے احیاء اور تشکیل کی شدید ضرورت کے باوصف بہت سی وجوہات (مثلاً جدید نظریہ ہائے ریاست کے بعض بنیادی مسلمات، ریاست کی عوامی معاملات میں وسیع مداخلت کے اصول اور عدلیہ و انتظامیہ کی باہمی کشمکش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے تصورات سے ولایۃ المظالم کے تصور کا تصادم وغیرہ) کی بناء پر کلاسیکی اور روایتی انداز و کیفیت کے ادارۂ مظالم کی تشکیل خاصی مشکل معلوم ہوتی ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اسلام کسی بھی ادارے کی ایک دور میں پائی جانے والی شکل اور تنظیمی و اداراتی ہیئت کو ہو بہو ہر دور میں اپنائے رکھنے کا ہرگز مطالبہ نہیں کرتا اس نے تو مقاصد اور مبادی متعین کر دیئے ہیں اور ان کی تکمیل کے لیئے شکل و ہیئت اور اداراتی نظام کا قیام ہر عصر و عہد کی ضروریات اور حالات کے مطابق اس وقت مسلمانوں پر چھوڑ دیا ہے۔ لہٰذا آج ہم اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق استیصال مظالم کے لیے ولایۃ المظالم کی طرز کا ادارۂ قائم کر سکتے ہیں۔ واللہ الموفق والمعین۔ والسلام۔

حوالہ جات

۱؎ آل عمران ۱۸

۲؎ المائدہ ۸

۳؎ الاعراف ۲۹

۴؎ الحدید ۴۵

۵؎ النحل ۹۰

۶؎ المائدہ ۸

۷؎ نساء ۱۳۵

۸؎ الدیلمی: مسند عن جابرؓ

۹؎ النور ۵۵

۱۰؎ النساء ۵۸

۱۱؎ ص ۲۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۲ھ شاہ ولی اللہ، حجۃ البالغۃ، نور محمد اصح المصابح جلد ۲ ص ۹۴

۱۳ھ ابن خلدون، المقدمۃ، مطبعۃ الجنۃ البیان العربی ۱۹۶۷ء جلد ۲ ص ۳۵۷

۱۴ھ النساء ۱۴۱

۱۵ھ الماوردی، الاحکام السلطانیۃ، دار الفکر، مصر ۱۹۸۳ء ص ۶۰

۱۶ھ النحل ۴۳

۱۷ھ التوبۃ ۱۲۲

۱۸ھ ابن خلدون، مقدمہ، جلد ۲ ص ۳۷۷

۱۹ھ القرانی: الاحکام فی تمیز الفتاوی عن الاحکام، عبد الکریم زیدان، اصول الدعوۃ، دار عمر اسکندریہ ص ۱۴۹

۲۰ھ جسٹس محمد منیر، اسلام اور تہذیب حاضرہ، لا پبلشنگ کمپنی لاہور ص ۹۵

۲۱ھ ابن سینا، الشفاء، فصل عقد المدینۃ و عقد البیت

۲۲ھ دائرہ معارف اسلامیہ، اردو، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، جلد ۱۱، ص ۷۱، ۲۷۲، ۶

۲۳ھ ابن الاخوۃ، معالم القربۃ فی احکام الحسبۃ، مقدمۃ

۲۴ھ محمد المبارک، الدولۃ و نظام الحسبۃ عند ابن تیمیہ

۲۵ھ دیکھئے، الماوردی و ابو یعلیٰ، الاحکام السلطانیۃ، ابن تیمیۃ الحسبۃ فی الاسلام، ابن الاخوۃ، معالم القربۃ وغیرہ۔

۲۶ھ الماوردی، الاحکام السلطانیۃ ص ۲۷

۲۷ھ ایضاً ص ۷۳

© rasailojaraid.com